فون نمبر: 5863260 5862956 مدیر: چوہدری ریاض احمد نائب مدیر: حامد رحمٰن رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532
Email: centralanjuman@yahoo.com قیمت فی پرچہ -/10 روپے

جلد نمبر 101 | 4 ذیعقد تا 3 ذوالحج 1435 ہجری یکم ستمبر تا 30 ستمبر 2014ء | شمارہ نمبر 18-17

احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس قربانی کا بیج بویا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لہلہاتے کھیت کی طرح دکھایا

حقیقی طور پر عید الضحیٰ وہی تھی جب آج سے تیرہ سو سال پیشتر خدا تعالیٰ کی راہ میں انسان ذبح ہوئے

حضرت مسیح موعودؑ کا ایک خطبہ جو 1900ء کی عید الضحیٰ پر قادیان میں آپ نے دیا

آج عید الضحیٰ کا دن ہے اور یہ عید ایک ایسے مہینے میں آتی ہے جس پر اسلامی مہینوں کا خاتمہ ہوتا ہے یعنی پھر محرم سے نیا سال شروع ہوتا ہے۔ یہ ایک سرّ کی بات ہے کہ ایسے مہینہ میں عید آ گئی ہے جس پر اسلامی مہینہ کا یا زمانہ کا خاتمہ ہے۔ اور یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس کو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آنے والے مسیح سے بہت مناسبت ہے۔ وہ مناسبت کیا ہے؟

ایک یہ کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری زمانہ کے نبی تھے اور آپ کا وجود باوجود اور وقت بعینہٖ گویا عید الضحیٰ کا وقت تھا چنانچہ یہ امر مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ آپ نبی صلعم آخر الزمان تھے اور یہ مہینہ بھی آخر الشہور رہے۔ اس لئے اس مہینہ کو آپ کے زمانے سے مناسبت ہے۔ دوسری مناسبت چونکہ یہ مہینہ قربانی کا مہینہ کہلاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حقیقی قربانیوں کا کامل نمونہ دکھانے کے لئے تشریف لائے تھے جیسے آپ لوگ بکری، اونٹ، گائے، دُنبہ ذبح کرتے ہوا ایسا ہی وہ زمانہ گذرا ہے کہ آج سے تیرہ سو سال پیشتر خدا تعالیٰ کی راہ میں انسان ذبح ہوئے۔ حقیقی طور پر عید الضحیٰ وہی تھی اور اسی میں ضحیٰ کی روشنی تھی۔ یہ قربانیاں اس کالب نہیں پوست ہیں، روح نہیں جسم ہیں۔ اس سہولت و آرام کے زمانہ میں

ہنسی خوشی سے عید ہوتی ہے اور عید کی انتہا ہنسی خوشی اور قسم قسم کے تعیّشات قرار دیئے گئے ہیں۔عورتیں اسی روز تمام زیورات پہنتی ہیں۔عمدہ سے عمدہ کپڑے زیب تن کرتی ہیں، مرد عمدہ عمدہ پوشاکیں پہنتے ہیں، اور عمدہ سے عمدہ کھانے بہم پہنچاتے ہیں اور یہ ایسا مسرت اور راحت کا دن سمجھا جاتا ہے کہ بخیل سے بخیل انسان بھی گوشت کھاتا ہے۔الغرض ہر قسم کے کھیل کو دلہو ولعب کا نام عید سمجھا گیا ہے۔مگر افسوس ہے کہ حقیقت کی طرف مطلق توجہ نہیں کی جاتی، درحقیقت اس دن میں بڑا سّر یہ تھا کہ حضرت ابرہیم علیہ السلام نے جس قربانی کا بیج بویا تھا اور مخفی طور پر بویا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لہلہاتے کھیت کی طرح دکھایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے ذبح کرنے میں خدا تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ذرا دریغ نہ کیا اس میں مخفی طور پر یہی اشارہ تھا کہ انسان ہمہ تن خدا کا ہو جائے اور خدا کے حکم کے سامنے اس کی اپنی جان، اپنی اولاد، اپنے اقرباء واعزاء کا خون بھی خفیف نظر آوے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو ہر ایک پاک ہدایت کا کامل نمونہ تھے کیسی قربانی ہوئی! خونوں سے جنگل بھر گئے، گویا خون کی ندیاں بہہ نکلیں، باپوں نے اپنے بچوں کو، بیٹوں نے اپنے باپوں کو قتل کیا۔اور وہ خوش ہوتے تھے کہ اسلام اور خدا کی راہ میں قیمہ قیمہ اور ٹکڑے ٹکڑے بھی کئے جاویں تو اُن کی راحت ہے۔مگر آج غور کر کے دیکھو کہ بجز ہنسی اور خوشی اور لہو ولعب کے، روحانیت کا کونسا حصہ باقی ہے۔یہ عید الضحیٰ پہلی عید سے بڑھ کر ہے اور عام لوگ بھی اس کو بڑی عید کہتے ہیں مگر سوچ کر بتلاؤ کہ عید کی وجہ سے کس قدر ہیں جو اپنے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور روحانیت سے حصہ لیتے ہیں اور اس روشنی اور نور کو لینے کی کوشش کرتے ہیں جو اس ضحیٰ میں رکھا گیا ہے۔عید رمضان اصل میں ایک مجاہدہ ہے اور ذاتی مجاہدہ ہے اور اس کا نام ''بذل الروح'' ہے مگر یہ عید جس کو بڑی عید کہتے ہیں۔ایک عظیم الشان حقیقت اپنے اندر رکھتی ہے، جس پر افسوس کہ توجہ نہیں کی گئی۔خدا تعالیٰ نے جس کے رحم کا ظہور کئی طرح پر ہوتا ہے، امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک یہ بڑا بھاری رحم کیا ہے کہ اور اُمتوں میں جس قدر باتیں پوست اور قشر کے رنگ میں تھیں۔ان کی حقیقت اس امتِ مرحومہ میں دکھلائی ہے۔ (پیغام صلح، 27 جولائی 1955ء)

حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

کا

''پاراموریبو، (سرینام)'' سے عید الاضحیٰ 2014ء کا پیغام

''میں اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرتا ہوں کہ اس سال اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی کہ میں عید الضحیٰ کا خطبہ سرینام کی کثیر التعداد جماعت اور خوبصورت مسجد میں دوں اور نمازِ عید کی امامت کروں۔

مجھے اس لئے روحانی خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امام الزماںؑ کا پیغام دنیا کے دور دراز ممالک تک پہنچا دیا ہے اور ہمارے سلسلہ کو برکت بخشی ہے۔ جہاں ایک طرف مجھے یہ راحت محسوس ہو رہی ہے وہاں یہ بھی احساس ہے کہ میں مرکز اور گھر والوں کے ساتھ عید نہیں منا رہا۔ میں آپ کو پیغامِ صلح کے ذریعہ **''عید مبارک''** کہتا ہوں اور نصیحت کرتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت حاجرہؓ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جس عظیم الشان قربانی کے پسِ منظر میں عید الضحیٰ منائی جارہی ہے، عید کی ظاہری خوشی مناتے وقت بھی اس پسِ منظر کو ضرور ذہنوں میں رکھیں اور اِس عزم کو پختہ کریں کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی قسم کی قربانی سے گریز نہیں کریں گے، چاہے وہ ہماری جان ہی کیوں نہ ہو۔

آج کے دن جانور کی قربانی کو محض ظاہری عمل تک محدود نہ رکھیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اپنے اندر موجود باغی جانور کو بھی ذبح کرڈالیں۔

جن حالات سے ہمارا ملک گزر رہا ہے وہ یقیناً ہماری خوشیوں کو ماند کر رہا ہے۔

آئیں ہم سب مل کر عید کے اس بابرکت موقع پر اپنے پیارے ملک پاکستان کی بقا و فلاح کے لئے دعا کریں کیونکہ اس ملک کی آزادی کے لئے ہمارے بزرگوں نے اہم کردار ادا کیا ہے اور اُن تمام احباب کے لئے بخشش کی دعا مانگیں جو اس دُنیا سے رُخصت ہو گئے ہیں اور ساتھ ہی اپنی جماعت کی کامیابی اور حفاظت کے لئے بھی دعا مانگیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ملک اور ہماری جماعت کو قائم و دائم رکھے۔ آمین

☆☆☆☆

اداریہ

رویتِ ہلال اور دورِ جدید

عید چاہے عید الفطر ہو یا عید الضحیٰ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کے لئے تحفہ ہے، لیکن اگر مسرت کا یہ دن تنازعات اور شکوک وشبہات کی نظر ہو جائے اور وہ بھی ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ دستور بن جائے تو یہ لمحہ فکریہ ہے۔ وطن عزیز میں ایک سے زائد عیدیں ہونا کوئی نئی بات نہیں، اوائل میں یہ مسئلہ صرف رمضان اور عید الفطر کے موقع پر اٹھتا تھا مگر اب اس تنازعے نے عید الضحیٰ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اب یہ معاملہ ملکی حدود سے نکل کر بین القوامی سطح تک پھیل چکا ہے تو مبالغہ نہ ہوگا، جو کہ عالم اسلام کے لئے جگ ہنسائی کا موجب بن رہا ہے۔ اور اس سے زیادہ خطرناک یہ کہ امت وملت کی وحدت کے لئے سم قاتل کا کردار ادا کر رہا ہے۔

اسلام دین فطرت ہے اور رہتی دنیا تک کے انسانوں کی راہنمائی کا ضامن ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں بہت واضع کائناتی اصول بتا دیئے ہیں، جیسا کہ فرمایا:

’’اور چاند کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کی ہیں‘‘ جسکا مطلب اس کے علاوہ اور کچھ اور نہیں ہو سکتا کہ چاند ایک مربوط اور حتمی قائدے کا پابند ہے۔ ایک اور جگہ یوں فرمایا:

’’سورج اور چاند کو ہم نے کام میں لگا رکھا ہے ہر ایک وقتِ مقرر کے لئے چلتا ہے‘‘ اس کائناتی راز کو پانے کے لئے جدید سائنس نہایت موزوں و مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل اور ان سربستہ کائناتی رازوں کو پانے کے لئے فلکیاتی اور کیمیائی علوم کا مطالعہ اور تجربات کئے جس نے جدید سائنس کی بنیاد رکھی گویا اختلافات سے بچنے اور اختلافات کو ختم کرنے کے لئے سائنسی ماہرین کی خدمات حاصل کرنے میں قطعاً کوئی قباحت نہیں مگر اس میں بھی کوئی دو رائے نہیں کہ ’’نئے چاند‘‘ و ’’رویت ہلال‘‘ اور ’’اختلاف مطالع‘‘ یعنی جغرافیائی صورتِ حال اور فاصلوں جیسے دیگر شرعی تقاضوں کو پسِ پشت نہیں ڈالا جا سکتا سو دینی حلقوں پر بھی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس مسئلے کے حل کے لئے اپنا کردار ادا کریں۔

آج کے جدید دور میں جبکہ انسان سائنسی علوم کی معراج کو پہنچ چکا ہے اور چاند پر انسانی آبادکاری کے ممکنہ منصوبوں کے بارے سوچ رہا ہے، ایسے میں مذہبی وسائنسی ماہرین کی مشترکہ خدمات حاصل کر کے اس مسئلے کے کسی متفقہ حل تک پہنچا جا سکتا ہے جو سب گروہوں کے لئے تشفی بخش ہو، کسی ایک شعبہ کے ماہرین کے لئے ایسے متفقہ اور قابل قبول فیصلے تک پہنچنا ممکن نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی حلقے اور سیاسی رہنما اس مسئلے کے حل کے لیے فروعی اور سیاسی اختلافات کو بھلا کر خاص توجہ اور شعوری بالیدگی کا مظاہرہ کریں وگرنہ یہ معاملہ مزید الجھتا جائے گا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اختلاف رکھنے والے گروہوں میں دوریاں مزید بڑھتی جائیں گی جو کسی طور بھی ملت وامت کے مفاد میں نہیں۔

سچائی پہلی اور آخری حقیقت

عامر عزیز الازھری

''اللہ بے انتہاء رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے''

''میں اللہ کامل علم رکھنے والا ہوں ۔ یہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں، متقیوں کے لئے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور اس سے جو ہم نے ان کو دیا خرچ کرتے ہیں ۔ اور جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اُتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اُتارا گیا اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں ۔ یہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں ۔ جنہوں نے انکار کیا (یہاں تک) کہ ان کے لئے برابر ہے کہ تو اُن کو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ نہیں مانتے ۔ اللہ نے اُن کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر مہر لگا دی اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے اور اُن کے لئے بڑا عذاب ہے ۔'' (سورۃ البقرہ ۲: آیات ۱ تا ۱۹)

یہ قرآن مجید کا پہلا رکوع ہے اور ہر مسلمان جو قرآن مجید پڑھتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ اس رکوع سے بخوبی واقف ہے بلکہ بے شمار ایسے ہوں گے جنہیں یہ زبانی یاد ہوگا اور اس کا ترجمہ بھی تقریباً سب ہی کو آتا ہوگا۔

سورۃ البقرہ کی ان آیات کا میں نے اس لئے انتخاب کیا کہ یہ ستمبر کا مہینہ ہے ۔ 7 ستمبر پاکستان میں ''یوم فضائیہ'' کے طور پر منایا جاتا ہے ۔ ہم بھی اپنی افواج اور فضائیہ پر فخر کرتے ہیں اور ان کے کارناموں کو دل کی گہرائیوں سے سراہتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی یہ دن وہ سیاہ دن ہے جس دن قومی اسمبلی نے ایک قرارداد کے ذریعے جماعت احمدیہ کے دونوں گروہوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا ۔ اس دن اخبارات میں خاص طور پر وہ مضامین شائع ہوتے ہیں یا ان میں وہ آرٹیکل چھپے ہوتے ہیں جو اس فیصلے کے متعلق ہوتے ہیں ۔ اس لئے میں نے سوچا کہ اس سال جن صاحبان نے یہ مضامین لکھے ان کی روشنی میں آپ کے سامنے خیالات کا اظہار کروں کہ جو فیصلہ 7 ستمبر 1973ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے کیا ۔ اس کا شریعت کے ساتھ یا قرآن سے کیا تعلق ہے؟

اگرچہ اس معاملے میں جو گفتگو ہوئی تھی وہ قومی اسمبلی نے شائع کر دی ہے اور اس میں تمام تفصیل موجود ہے ۔ خاص طور پر وہ حصہ جو ہماری جماعت احمدیہ لاہور سے تعلق رکھتا ہے ۔ اس بارے میں وہاں جو سوال و جواب کئے گئے تھے وہ سارے کے سارے اب سامنے آ گئے ہیں ۔ انشاء اللہ اس قومی اسمبلی کے فیصلے کے متعلق میں اپنے تجزیہ پر مبنی ایک تفصیلی کتاب بھی شائع کر رہا ہوں ۔

سب سے اہم چیز یہ ہے کہ یہ رپورٹ ساڑھے تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس کے پہلے صفحے سے آخری صفحے تک پڑھ جائیں تو بنیادی چیز یہ نظر آتی ہے کہ اسمبلی میں جو افراد گفتگو کر رہے تھے خواہ وہ علماء کرام تھے یا جو یحییٰ بختیار صاحب، ان سب کا مقصد اور اصل ہدف حضرت مرزا صاحب کی ذات کو نشانہ بنانا تھا نہ کہ اس بات کی تصدیق کرنا تھا کہ لاہوری احمدی جماعت کے افراد کیا عقیدہ رکھتے ہیں ۔ بحث کا مقصد اگر صرف یہ سمجھنا اور فیصلہ کرنا ہوتا کہ مسلمان کی کیا تعریف ہوگی؟ کون شخص مسلمان ہوسکتا ہے؟ کوئی شخص کس عقیدے پر ایمان لائے تو اسلام سے نکل جاتا ہے تو پھر یہ بڑی آسان بحث تھی ۔ یہ بحث اس معاملے پر ہوتی کہ احمدی حضرات خواہ وہ جماعت ربوہ سے تعلق رکھتے ہیں یا جماعت لاہور سے ان سے ان کے عقائد پوچھے جاتے کہ وہ کیا عقیدہ رکھتے ہیں اور ان عقائد کے مطابق فیصلہ کیا جاتا کہ یہ ان کا عقیدہ اسلام کے مطابق ہے یا خلاف اسلام ہے ۔

یہ پوری بحث جو قومی اسمبلی میں کی گئی ہے اس میں مرزا صاحب کی تحریرات پر، آپ کے کردار کے پر، آپ کی گھریلو زندگی پر اور ان کے مختلف حوالہ جات پر جو

ان کی مختلف کتب میں پائی جاتے ہیں بحث کی گئی۔حقیقت میں اس وقت بحث یہ نہ ہونی چاہیے تھی کہ حضرت مرزا صاحب کیا کرتے تھے اوران کے خیالات اوران کے افکار کو دوسرے کیا سمجھتے ہیں۔ بحث یہ ہونی چاہیے تھی کہ جماعت احمدیہ لاہور کیا عقیدہ رکھتی ہے اور کیا اس کا عقیدہ اسلام کے مطابق ہے یا نہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم ومغفور ایک دفعہ پشاور گئے تو وہاں ہمارے محترم بزرگ سردار علی خان صاحب اور ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کی آپس میں بحث ہوئی۔ سردار علی خان صاحب نے کہا کہ میں باقی بحث میں نہیں جاتا ہمیں تو قرآن یہ کہتا ہے کہ تم مسلمان ہو۔تو ڈاکٹر صاحب مرحوم نے کہا کہ آپ کس طرح اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرتے ہیں۔تو خان صاحب نے سورۃ البقرہ کا پہلا رکوع پڑھ کر سنایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے شروع میں یہ بیان کر دیا ہے کہ کون لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔مومنین کی تعریف تو اللہ نے قرآن کے شروع میں کر دی ہے اور وہ یہ ہے کہ **''جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں'' (تو ہم بھی غیب پر ایمان رکھتے ہیں) ''اور نماز قائم کرتے ہیں'' (ہم بھی نماز قائم کرتے ہیں) ''اور جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اُتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اُتارا گیا اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں۔یہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں''۔**تو سردار علی خان صاحب نے فرمایا کہ ہم ان سب باتوں پر ایمان لاتے ہیں۔اب آپ کیا کہتے ہیں کہ قرآن کی ان آیات کے آگے اور کوئی بحث کی ضرورت ہے۔کیا آپ قرآن کے مطابق کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔

آپ اس آیت کے مطابق ہمارے بارے میں فتویٰ دیں تو **ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم ومغفور نے جواب دیا کہ اچھا میں اس بارے میں بحث نہیں کرتا پھر کسی اور وقت ہم بات کریں گے۔**

لیکن یہ حقیقت ہے کہ اگر قرآن مجید کے اس پہلے رکوع کو سامنے رکھ لیا جائے اور اس کے مطابق سارے معاملے کو پرکھا جائے تو معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔

مفتی منیب الرحمٰن صاحب جو پاکستان ہلال کمیٹی کے چیئرمین ہیں وہ لکھتے ہیں کہ: یہ بات درست ہے کہ جہاں تک پارلیمنٹ میں یہ بحث ہوئی ہے اس میں مسلمان ہونے کے لئے ایک اور شق بھی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے وہ ہے سورۃ الاحزاب کی آیت:

''کہ تم مردوں میں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے والد نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں''۔

ان کے نزدیک جو اس آیت پر ایمان نہیں لاتا اور اس آیت کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہیں مانتا اور آپ صلعم کی ختم نبوت پر ایمان نہیں لاتا وہ مسلمان نہیں ہے۔لہذا جو اس وقت کی قومی اسمبلی نے فیصلہ دیا وہ اس وجہ سے دیا کہ احمدی اس آیت کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہیں مانتے۔لہذا ریاستی سطح پر انکارِ ختم نبوت کو کفر قرار دیا گیا۔اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ اسلام میں امام الانبیاء ورسل سیدنا محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان اس امر کے ساتھ مشروط ہے کہ آپ صلعم کو خاتم النبیین یعنی اس زمین پر اللہ کے بندوں کے لئے اللہ کا آخری رسول تسلیم کیا جائے۔

یعنی ایک مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ وہ لوگ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں اور آپ صلعم کو آخری نبی مانتے ہیں اور آپ صلعم کے بعد کسی اور نبی کے آنے پر وہ یقین نہ رکھیں۔تو جماعت احمدیہ لاہور کے ممبران انکے ساتھ سو (100) فی صد متفق ہیں کہ یہی عقیدہ درست اور صحیح ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے مطابق خاتم النبیین ہیں اور آپ صلعم کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا خواہ وہ نیا ہو یا پرانا۔

ہمارے جو مسلمان بھائی اس معاملے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کوئی نیا نبی تو نہیں آئے گا مگر ایک پرانا (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) ضرور آئیں گے۔لیکن جس شخص کو وہ کافر قرار دے رہے ہیں (یعنی حضرت مرزا صاحب کو جو اس وقت 1974ء سے 65 سال قبل دنیا سے رخصت ہو چکے تھے) ان کے ماننے والوں کو جنہیں کافر قرار دیا گیا۔وہ اور خود حضرت مرزا صاحب تو اس ختم نبوت پر مکمل یقین رکھتے ہیں۔وہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ نہ نیا نبی آئے گا نہ پرانا آئے گا کوئی بھی نہیں آئے گا۔

یعنی ختم نبوت کی جو اصل حقیقت مرزا صاحب اور جماعت احمدیہ لاہور کے ممبران بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ اب کوئی نبوت کے اس دروازے سے داخل ہو ہی نہیں سکتا خواہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آجائیں یا کوئی اور شخص کھڑا ہو کر دعویٰ کردے کہ وہ نبی ہے تو ختم نبوت کی مہر ٹوٹ جاتی ہے غور کریں جس شخص پر اس وجہ سے کفر کا فتویٰ دیا جا رہا ہے کہ وہ ختم نبوت کی آیت خاتم النبیین کو نہیں مانتا وہ تو یہ کہتا ہے کہ اگر اس آیت کے مطابق کوئی ایک پرانا نبی آجائے یا کوئی نیا نبی آجائے تو ختم نبوت کی مہر ٹوٹ جائے گی۔ قرآن مجید میں کوئی حرف اور نقطہ بھی تبدیل نہیں ہو سکتا۔ کیا ایسا عقیدہ رکھنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ حضرت مرزا صاحب کے نزدیک ختم نبوت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اس وجہ سے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کے بھی قائل نہیں ہیں۔

1974ء کا واقعہ کیوں ہوا؟ یہ ہمارے نوجوانوں کو علم ہونا چاہیے کہ ربوہ ریلوے اسٹیشن پر ہنگامہ آرائی ہوئی تھی۔ نشتر میڈیکل کالج (ملتان) کے کچھ طلباء نے جو کسی تفریح پر جا رہے تھے۔ ربوہ ریلوے سٹیشن پر گالم گلوچ اور بیہودہ باتوں کا مظاہرہ کیا۔ جب وہ واپس آرہے تھے تو اس وقت جماعت ربوہ کے لوگوں نے ان پر حملہ کیا اور یہ بات درست ہے اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ جماعت ربوہ کی طرف سے کتاب بھی شائع ہوئی ہے۔ جس میں انہوں نے یہ لکھا ہے کہ ہمارے جن لوگوں نے حملہ کیا انہوں نے خلیفہ مرزا ناصر احمد مرحوم ومغفور کے حکم کی صریح نافرمانی کی۔ انہوں نے اس چیز سے منع کیا تھا لیکن چند لوگوں نے پھر بھی وہ کام کیا اور جذبات میں آگئے لہٰذ یہ معاملہ ہوا۔ اس حد تک تو یہ بات درست ہے۔

اس کے بعد بہرحال جو بھی ہوا۔ اس میں صرف اور صرف سیاست شامل تھی۔ ہنگامہ آرائی کی گئی اور پھر جلوس نکلنا شروع ہو گئے۔ آج ہمارے نوجوان اس کو سمجھ سکتے ہیں کہ ہمارے ملک میں جب کوئی تحریک چلانی ہو تو وہ کیسے چلائی جاتی ہے۔ اس کے لئے ایک چھوٹا سا واقعہ کروایا جاتا ہے اس کے بعد خود بخود یہ تحریک چل پڑتی ہے۔ اسی طرح 1973ء میں جماعت احمدیہ کے خلاف تحریک شروع کی گئی۔ یہاں یہ یاد رکھنے کے لائق بات ہے کہ اس سارے معاملے میں جماعت احمدیہ لاہور کا کوئی ہاتھ نہ تھا۔

حالات کی سنگینی کے پیش نظر قومی اسمبلی نے دونوں جماعتوں کو بلایا۔ ہمیں بھی بلایا گیا اور پھر دونوں پر سوالات کئے گئے اور بڑی تفصیل میں سوال وجواب ہوئے۔

لیکن ان سارے سوالوں کی نوعیت ایسی تھی کہ اگر انہیں پڑھیں تو یہ نظر آتا ہے کہ ٹرائل مرزا غلام احمد صاحب کا ہو رہا تھا جو دنیا میں موجود نہیں تھے۔ بہت سارے سوال ایسے تھے جن کا جواب وہ خود دے سکتے تھے۔ انہوں نے کس نیت سے یہ بات کی۔ انہوں نے کس نیت سے فلاں عمل کیا۔ فلاں شخص کو بلایا تو کیوں بلایا یعنی اس طرح کے سوالات جن سے مرزا صاحب کی نیت معلوم کرنا تھا بلکہ بے معنی تھے۔

بہرحال ان میں وہ سوالات جن کا تعلق عقائد کے ساتھ ہے وہ ضرور موجود ہیں اور انشاء اللہ اس فیصلے پر میں ایک مکمل کتاب مرتب کر رہا ہوں۔

خاتم النبیین کے جو معنی جماعت احمدیہ ربوہ کرتی ہے۔ یہ جماعت ربوہ کی خطاء ہے۔ ان کی یہ تعبیر صریح غلط ہے۔ ہمارے بزرگان 1914ء سے ان کی غلطی سے ان کو آگاہ کرتے آئے ہیں اور ہمارا ان کے اس عقائد سے کوئی تعلق نہیں۔

اس سلسلے میں حضرت مرزا صاحب نے جو تفسیر آیت ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین کی بیان کی ہے وہ جماعت ربوہ نے خود شائع کی۔ یہ ان کی شائع کردہ تفسیر کے صفحہ نمبر 49 سے 92 نمبر تک موجود ہے۔ جہاں جہاں پر اس آیت کی تشریح حضرت مرزا صاحب نے کی ہے، ایک جگہ پر بھی آپ اس سے مراد مہر نہیں لیتے بلکہ اس سے مراد آخری نبی ہی لیتے ہیں۔ جماعت ربوہ کا نقطہ نظر کسی کتاب سے نہیں ملتا۔ حضرت مرزا صاحب نے خاتم النبیین سے مراد آخری نبی ہی لیا ہے۔ جماعت احمدیہ لاہور شروع دن سے جماعت ربوہ کے

نقطہ نظر سے اختلاف رکھتی ہے۔ ہم اس آیت سے مراد یہی لیتے ہیں کہ رسول کریم صلعم آخری نبی ہیں۔

حضرت صاحب اپنی کتاب ''توضیح مرام'' میں لکھتے ہیں:

''میرے اس سارے کلام کا حاصل کلام یہ ہے کہ نبوت کی صرف وہ کھڑکی کھلی ہے جس میں سوائے مبشرات اور منذرات کے اور کچھ بھی باقی نہیں رہا اور اس سے مراد صرف قرآن کے لطیف نکات ہیں (جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین سمجھانے کے لئے بیان کئے جاتے ہیں) لیکن جہاں تک نبوت تامہ کا تعلق ہے اور جو اپنے تمام کمالات کے ساتھ اور پوری وحی کے کمالات کے ساتھ مکمل ہوگیا ہم اس کے ختم ہونے پر ایمان لاتے ہیں۔ اس دن سے جس دن اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ:

ترجمہ: **''محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔''**

پھر آپ اپنی کتاب ''ایام الصلح'' میں فرماتے ہیں کہ:

''مسیح ابن مریم کے دوبارہ آنے کو یہ آیت بھی روکتی ہے ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین اور ایسا ہی حدیث لا نبی بعدی کے بعد کیونکر جائز ہوسکتا ہے کہ باوجود ہمارے نبیؐ خاتم الانبیاء ہیں پھر کسی وقت دوسرا نبی آجائے اور وحی نبوت شروع ہوجائے۔''

حضرت مرزا صاحب کے نزدیک یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی ہوکر آجائے۔ ابن مریم بھی نہیں آسکتے۔ آپؐ خاتم الانبیاء ہیں پھر آپؐ کے بعد کوئی نبی آجائے یہ ناممکنات میں سے ہے۔

پھر آگے رسالہ ''الوصیت'' میں لکھتے ہیں:

''یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ نبوت تشریع کا دروازہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل مسدود ہے اور قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب نہیں جو نئے احکام لائے یا قرآن شریف کا حکم منسوخ کرے یا اس کی پیروی معطل کرے بلکہ اس کا عمل قیامت تک ہے۔''

ایک نکتہ یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ حضرت مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اور نبوت یقیناً منقطع ہوچکی'' حضرت مرزا صاحب یہاں لفظ استعمال کرتے ہیں کہ ہمارے نبیؐ کے بعد نبوت منقطع ہوگی تو یہ جو لفظ منقطع ہے اس میں تو کہیں دوبارہ آنے یا نبوت کے اجراء کا شائبہ تک بھی نہیں بلکہ اس سے مراد ختم ہونا ہے۔ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں:

''اور کوئی کتاب قرآن مجید کے بعد نہیں جو کہ سب سے بہترین صحیفہ اور بعد شریعت محمدؐ یہ کوئی شریعتؐ باقی نہیں۔''

''اور جسمانی طور پر جس قدر ترقیات آج تک ہوئی ہیں کیا وہ پہلے زمانہ میں نہیں ہوئی تھیں۔ اسی طرح روحانی ترقیات کا سلسلہ ہے کہ وہ ہوتے ہوئے پیغمبر خدا پر ختم ہوا۔ خاتم النبیین کے یہی معنی ہیں'' حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ: اب جو روحانی ترقیات کا دور ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے۔ اب ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔''

جماعت ربوہ کا جو معاملہ ہے وہ اس کی خود ذمہ دار ہے کہ اس کی وضاحت کرے لیکن حضرت مرزا صاحب جن کا ٹرائل اسمبلی میں کیا جا رہا تھا آپ کی کوئی ایک ایسی تحریر نہیں جن میں آپ نے ختم نبوت کا مطلب وہ لیا ہو جو جماعت ربوہ لیتی ہے۔ ختم نبوت کے اس عقیدے پر وہ اس قدر یقین رکھتے ہیں کہ آپؐ کے بعد نہ کوئی نیا نبی آئے گا نہ پرانا۔ ہاں کیا چیز باقی ہے جس کو مرزا صاحب بار بار بیان کرتے ہیں۔ یہ وہی ہیں جو تمام علماء مانتے ہیں وہ یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے جس میں آپؐ نے فرمایا:

''اب نبوت میں سے کچھ باقی نہیں سوائے مبشرات کے''

اور وہ مبشرات کیا ہیں رویا صالحہ یعنی سچی خواب اور اسی سچی خواب کے لئے صوفیاء کی Term ظلی بروزی نبی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں، تو **مرزا صاحب ختم نبوت کا ہرگز انکار نہیں کرتے بلکہ آپ یہ کہتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ختم نبوت کا انکار کر کے دائرہ اسلام سے خارج ہوجاؤں۔**

ہم جماعت احمدیہ لاہور کے ممبران 1914ء سے لے کر آج تک اس پر

قائم ہیں کہ ختم نبوت پر ایمان لانا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ 7 ستمبر کو یہ قرار دار کہ جماعت احمدیہ لاہور کو غیر مسلم قرار دینا یہ ظلم اور ناانصافی ہے اور یہ انصاف پر مبنی نہیں ہے اور اس کا مقصد صرف اور صرف سیاست تھا۔ ہاں جماعت ربوہ کا جو عقیدہ ہے اس کو ہم ناپسند کرتے ہیں اور اس سے بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔ آج سے نہیں ہمارے بزرگان نے 1914ء سے اس سے بیزاری کا اعلان کیا ہے۔ ہم ربوہ جماعت کی تشریحات کو قطعاًنہ تو اسلام کی تعلیم کے مطابق سمجھتے ہیں اور نہ ہی ہم ان کو قرآنی شریعت کے مطابق سمجھتے ہیں اور نہ ہی وہ حضرت مرزا صاحب کی تعلیمات کے مطابق ہیں۔ جماعت ربوہ کو چاہیے کہ اس کے بارے میں سوچے۔ ان کو غور کرنا چاہیے کہ کوئی ایسی چیز جو خلاف شریعت ہے اس کو اور ایسا عقیدہ جو درست نہیں اس کو ترک کرے۔

ہمیں فخر ہے کہ ہم دین حق پھیلانے نکلے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں وہ علم عطا کیا ہے جو آج کے بڑے بڑے علماء کے پاس نہیں۔ آپ کے بزرگان کے لٹریچر کی مسلم ممالک کی سب سے بڑی یونیورسٹی ''الازھر'' نے اس کی تائید و تصدیق کی ہے۔ آپ کے پاس جو علم ہے وہ اپنے وقت سے سو سال پہلے کا ہے اس لئے ہمیں ان مشکلات سے ڈرنا نہیں چاہیے۔

قومیں ایسے نہیں بنتیں بلکہ آزمائشوں اور مصیبتوں سے گذر کر قوموں کو عروج ملتا ہے۔ آپ نے سچائی کو مانا ہے، حق کو قبول کیا ہے لہٰذا ڈر کیسا۔

میں اس خطبہ کو گاندھی جی جو کہ آپ سب جانتے ہیں کہ بڑے لیڈر تھے۔ ان کے قول پر ختم کرتا ہوں وہ کہتے ہیں کہ:

Never Apologize for being correct. Many people, especially ignorant people, want to punish you for speaking the truth. For being correct. For being you. Never Apologize for being Correct, or for being years. Ahead of your time. If you're right and you know it, speak your mind. Speak your mind. Even if you are a minority of one, the truth is still the truth."

''اگر آپ درست ہیں حق پر ہیں تو معذرت کا لہجہ نہ اختیار کریں۔ بہت سارے لوگ خاص طور پر جاہل لوگ آپ کو سچ بولنے پر سزا دینا چاہتے ہیں۔ ان پڑھ اور جاہل لوگ آپ کو سچ بولنے پر سزا دینا چاہتے ہیں۔ کیا آپ ان پڑھ اور جاہل کی بات ماننے پر تیار ہو جائیں گے۔ اگر آپ درست ہیں اور آپ مانتے ہیں کہ آپ درست ہیں تو اپنے دفاع کی بات کریں۔ آپ اپنی بات کریں اس میں ڈرنے کی بات نہیں ہے۔ آپ اپنے حق کی بات کہیں۔ خواہ آپ اکیلے انسان باقی رہ جائیں۔''

گاندھی جی کے اس قول سے سبق سیکھیں:

''اگر آپ ایک بھی رہ گئے ہیں تو پھر بھی بولو کیوں کہ سچائی پھر بھی سچائی ہے خواہ وہ ایک انسان کیوں نہ کہے اگر ایک طرف سارے کا سارا جھوٹ ہے لیکن ایک انسان اگر سچ بول رہا ہے تو پھر آپ اس ایک سچ کو مانیں اور بولیں کیونکہ سچائی ہی پہلی اور آخری جیت ہے۔''

ہمیں نہ تو اسمبلیوں کے فیصلوں سے فرق پڑے گا جب آپ یہ سمجھ لیں کہ آپ حق پر ہیں اور آپ ایک بھی رہ گئے ہیں تو آپ اپنے حق کے لئے لڑیں اور اس حق کے لئے کھڑے رہیں۔

یہ فیصلے بدل جائیں گے۔ وقت بدل جائے گا۔ تاریخ بدل جائے گی لیکن سچ سچ ہی رہے گا خواہ اس کو کتنا ہی کیوں نہ دبایا جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس زمانے کے امام کی تعلیم کے ساتھ ہونے کی توفیق دے اور جو انہوں نے سچ اور حق کی تعلیم دی ہے اسے اللہ تعالیٰ ہمیں قبول کرنے کی توفیق دے اور ہمیں قرآن مجید سمجھنے اور پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆

22 رجب 1357ھ

16 ستمبر 1938ء

قربانی مذہب کی رُوح اور کامیابی کا ذریعہ ہے

سب سے بلند قربانی وہ ہے جو فی سبیل اللہ کی جائے

تشہد، تعوذ اور تسمیہ کے بعد حضرت مولیناؒ نے ذیل کی قرآنی آیت تلاوت کی:

ترجمہ: ''اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں (اس کے) بدلہ میں کہ اُن کے لئے جنت ہے وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں، سو مارتے ہیں اور مرتے ہیں۔ یہ وعدہ اس کے ذمے سچا ہے، توریت اور انجیل اور قرآن میں، اور اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدے کو کون پورا کرنے والا ہے سو اپنے سودے پر جو تم نے اس سے کیا ہے خوش ہو جاؤ، اور یہی بڑی کامیابی ہے۔'' (سورۃ التوبہ: 111)

اور پھر آپؒ نے فرمایا کہ اس مختصر سے بیان میں مذہب کی غرض و غایت بیان فرمائی ہے۔ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا ہے اس بات کے عوض، کہ ان کو جنت ملے گی۔ جن لوگوں سے یہ سودا ہوا ہے، ان کی حالت کیا ہے؟ کہ آخری قربانی، جو انسان کے اختیار میں ہے، یعنی جان کی قربانی، وہ بھی وہ کر دیتے ہیں۔ ''اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں'' خدا کے رستے میں اگر سر دینے کی ضرورت بھی پیش آ جائے، تو وہ ڈرتے نہیں۔ بلکہ اس کی رضاء کی خاطر جنگ کرتے ہیں۔ جنگ میں دونوں ہی پہلو ہیں۔ قتل بھی کرتے ہیں۔ اور قتل بھی ہوتے ہیں۔ اگرچہ مومن کے لئے کسی کی جان لینا مشکل کام ہے۔ کیونکہ مومن دوسروں کے حقوق کا محافظ ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ''مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ امن میں ہوں'' لیکن جب ضرورت پیش آتی ہے تو لوگوں کی جان لیتے ہیں۔ اور اپنی جان بھی دیتے ہیں۔

قربانی کا عظیم ترین سبق اور اس کے عدیم المثال نتائج

جنت کا حاصل کرنا بڑا بلند مقام ہے۔ یہی زندگی کی غرض و غایت ہے۔ اس کے حصول کے لئے ضروری قرار دیا ہے کہ جان اور مال خدا کے ہاتھ بیچ دیں۔ یہ گویا قربانی کا عظیم ترین سبق سکھایا ہے۔ اور اس قوم کے اندر جو اس قسم کی قربانیوں سے ناواقف تھی جیسے کہ عرب، ایک عظیم انقلاب ان الفاظ نے پیدا کیا۔ مسلمانوں نے اپنے جانوں اور مالوں کی بے دریغ قربانی کی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور آپ کے بعد بھی جانی اور مالی قربانی کا ایسا نمونہ پیش کیا۔ کہ اس کی نظیر کہیں اور نہیں ملتی یہی وجہ ہے کہ ان کو کامیابی بھی اس قدر عظیم الشان حاصل ہوئی کہ اس کی مثال تاریخ میں نظر نہیں آتی۔ اور کسی قوم کو اس قدر قلیل مدت میں اس قدر عروج نصیب نہیں ہوا جو اس قوم کو ہوا۔

تاریخ عالم میں کامیاب ترین مذہبی رہنما اور کامیاب ترین قوم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نظیر کامیابی کا اعتراف تو اَعداء اسلام تک کرتے ہیں۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں لکھا ہے کہ دنیا کی تمام مذہبی شخصیتوں میں سب سے بڑھ کر کامیاب انسان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پس جس قدر دنیا میں مذہبی رہنما ہوئے ہیں، جن میں حضرت عیسیٰؑ بھی شامل ہیں، جن کو عیسائی خدا یا خدا کا بیٹا مانتے ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سب میں زیادہ کامیاب گزرے ہیں۔ لیکن اسی قدر درست نہیں بلکہ یہ بھی

درست ہے کہ جس قدر آپؐ کے اصحابؓ کامیاب ہوئے، دنیا کی اور کوئی قوم اتنی کامیاب نہیں ہوئی! ان کی فتوحات کا اعتراف بے شمار دشمنوں نے بھی کیا ہے۔ یہاں تک کہ یہی ''ایچ جی، ویلز'' جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیہودہ سرائی کی اور مسلمانوں میں اس کے متعلق ایک ہیجان پیدا ہوا ہے، اس نے لکھا ہے کہ فتوحات کے لحاظ سے جتنی کامیابی صحابہؓ کو ہوئی، اس کی نظیر اور کہیں نہیں ملتی!

قبل از اسلام عربوں پر ایران کا رعب

بات سچ ہے۔ ایک قوم، جو صدیوں سے جہالت میں پھنسی ہوئی تھی، باہم لڑتے جھگڑتے تھے، ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کا دشمن تھا، ان میں اتحاد و اتفاق کا نام نہیں تھا اور ملک سے باہر نکلنے کا خیال تک موجود نہ تھا بلکہ ان کے ارد گرد روما اور ایران کی دو زبردست حکومتیں تھیں۔ جن کے پاس روپیہ تھا افواج تھیں اور ہر قسم کی طاقت موجود تھی۔ پھر عرب دونوں حکومتوں کے اس قدر زیر اثر تھے کہ جب آپؐ نے کسریٰ کو دعوت اسلام دی اور اس نے آپؐ کے دعوت نامے کو پھاڑ کر یمن کے گورنر کو آپؐ کی گرفتاری کے لئے لکھا تو یمن کے گورنر نے محض دو سپاہی آپؐ کی گرفتاری کے لئے مدینہ بھیج دیئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی حکومت کا عربوں پر بہت اثر تھا۔ آپؐ نے جو جواب دیا وہ تو عجیب تھا کہ جاؤ تمہارے خداوند کو آج رات میرے خدا نے ہلاک کر ڈالا۔ چنانچہ کسریٰ اسی رات اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ لیکن اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے لوگ ایران کی سلطنت سے اس قدر دبے ہوئے تھے کہ محض دو سپاہیوں کا بھیج دینا کافی سمجھا گیا گویا ان کی اپنی حکومت تھی۔

اسلام کے بعد عربوں کی حالت

مگر یہی عرب جب اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے، تو انہوں نے اکیلے ایران کو ہی شکست پر شکست نہیں دی بلکہ بیک وقت ایران اور روما جیسی عظیم الشان سلطنتوں سے مقابلہ کیا اور ایسا مقابلہ کیا کہ یہ دونوں سلطنتیں چند دنوں میں پاش پاش ہو گئیں۔ قرآن کریم نے ان کے اندر کس قدر زبردست طاقت بھر دی کہ دونوں طاقتوں کو تھوڑے ہی عرصے میں اس طرح کچل ڈالا جس کی نظیر نہیں ملتی مگر صرف یہی فتوحات ہی بے نظیر نہیں بلکہ بلند اخلاق، علم دوستی، مساکین کی خبر گیری وغیرہ تمام اوصاف جو کہ انسانوں اور قوموں کو بلند کرتے ہیں ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھر دیئے گئے۔

صحابہ کرامؓ نے قربانیوں کے ذریعہ بلندی حاصل کی

بات صرف ایک تھی، ان کی عدیم النظیر قربانیاں ہی انہیں بلندی پر لے گئیں۔ وہ جان اور مال کو خدا کی چیزیں سمجھتے تھے جو کہ ان کے پاس بطور امانت تھیں، یہ قربانی کا بلند ترین مقام ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی قوم بھی جب اس مقام پر پہنچتی ہے تو دنیا اس کے سامنے جھک جاتی ہے۔ لیکن جب بڑی سے بڑی قوم اس مقام سے گر جاتی ہے تو ذلیل ہو جاتی ہے۔ ایک وہ وقت تھا کہ مسلمانوں کی تعداد چند ہزار تھی مگر دنیا پر چھا گئے۔ آج وہ وقت ہے کہ کروڑ در کروڑ ہیں، مگر خود بھی مانتے ہیں کہ ذلیل ہیں اور دوسرے بھی اس بات سے باخبر ہیں۔

آج مسلمانوں سے قربانی کی روح مفقود ہو گئی ہے

پہلی حالت سے بھی باخبر ہیں جو صرف قربانی کی بدولت تھی اور آج قربانی کی روح کے مفقود ہو جانے سے ہی ذلّت آئی ہے۔ اپنے ملک کے حالات کو ہی لیجئے، ہمارے سامنے کانگریس اور مسلم لیگ دو جماعتیں ہیں۔ کانگریس کس قدر قوت میں ہے۔ اور لیگ کس قدر کمزور جماعت ہے۔ **ہم لیگ کو غیر مفید نہیں کہتے، بلکہ اسلام کے اتحاد کے لئے یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ سب مسلمان اس میں شامل ہوں۔** لیکن لیگ کیوں کمزور ہے؟ قربانی نہیں! کانگریس کیوں کمزور نہیں؟ وہاں قربانی ہے! جیلوں میں جاتے ہیں! مال دیتے ہیں۔ وہ جان اور مال دونوں کو قربان کرنے سے ڈرتے نہیں۔ یہ خدا کا اٹل قانون ہے کہ ترقی وہی قوم کرتی ہے جو جان اور مال کو عزیز نہیں رکھتی!

حضرت صاحب نے ایک موقع پر فرمایا کہ اگر میرے ساتھ چالیس مومن

ہوں، تو میں دنیا کو فتح کر سکتا ہوں۔ مگر وہ کونسے مومن ہوں؟ ''اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال خرید لئے ہیں'' (111:9) کے معیار پر پورے اترتے ہوں کہ وہ جان اور مال کو خدا کا سمجھیں اور ضرورت کے وقت دونوں اس کے راستے میں دے ڈالیں۔ ناممکن ہے کہ ایسے آدمی موجود ہوں اور کامیابی نہ ہو! کمی صرف قربانی کی ہے۔

دوسری اقوام کی سبق آموز مثالیں

ہندوؤں میں ایسے آدمی موجود ہیں۔ عیسائیوں میں موجود ہیں، جرمن قوم 1919ء میں ایسی مغلوب تھی، ذلیل تھی کہ دوسری حکومتوں نے جو شرطیں چاہیں منوالیں۔ اور ابھی بیس سال نہیں ہوئے کہ اس کا خوف سب پر طاری ہے۔ یہاں تک کہ خود انگلستان کا وزیر اعظم ہٹلر کے پاس جاتا ہے۔ یہ سفر انسانی ہمدردی کی وجہ سے نہیں، بلکہ جرمنی کے رعب کا نتیجہ ہے۔ اگر انسانی ہمدردی ہوتی تو فلسطین کے غریب عرب اس طرح کیوں مارے جاتے؟ جو قوم اٹھارہ بیس سال پہلے ذلیل تھی، آج سب اس سے ڈرتے ہیں! دوسری طرف بھی طاقتیں ضرور ہیں مگر اس قوم کی قربانیوں سے ڈرتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود مسلمانوں میں قربانی کی رُوح پیدا کرنا چاہتے تھے

یہی قربانی کی روح حضرت صاحب بھی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ بیعت میں جو سب سے اہم اقرار لیا جاتا تھا وہ یہی تھا کہ میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا۔ یعنی دین کے سامنے دنیا کی ضروریات کو پیچھے پھینک دوں گا۔ یہی قربانی مذہب کی روح ہے۔ اور مذہب قربانی کی روح ہی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج قربانی کے مدارج ہیں۔ نماز بھی ایک قربانی چاہتی ہے کہ انسان وقت کی قربانی کرے۔ کاروبار کو چھوڑے اور اللہ کے حضور میں حاضر ہو جائے۔ روزہ چاہتا ہے کہ انسان اپنی خواہشات کو چھوڑ دے۔ یہ بھی ایک قربانی ہے۔ زکوٰۃ تو صاف قربانی ہے۔ قرآن نے ایک کیا حکیمانہ بات کہی ہے ''اور **ان کے مال میں سوالی اور نہ مانگنے والے محتاج کا حق تھا''** (51:19)۔ یعنی مال ہر ایک کا اپنا ہے۔ حکومت کا نہیں۔ مگر اس میں حق (Right) ہے اس کا جو سائل ہے۔ کس قدر بلند بات ہے۔ حج میں بھی قربانی ہے۔ اس میں بھی انسان آرام و آسائش کو چھوڑتا ہے۔ سفر کی مشکلات اٹھاتا ہے۔ روپیہ خرچ کرتا ہے۔

کامیابی کا مدار کثرت پر نہیں قربانی پر ہے

غرض قربانی مذہب کی روح ہے۔ جس قوم میں یہ روح ہوتی ہے، وہ کامیاب ہوتی ہے۔ خواہ ہو کتنی ہی چھوٹی ہو۔ اس بات کو لکھ رکھو کہ کامیابی کا مدار کثرت پر نہیں۔ اور قلت قربانی کے ہوتے ہوئے نقصان رساں نہیں۔ ہاں، قرآن حکیم نے سب سے بلند قربانی رکھی ہے۔ یعنی فی سبیل اللہ۔ لوگ بال بچوں کے لئے قربانی کرتے ہیں۔ یہ بھی بلا شبہ قربانی ہے۔ اس سے بڑھ کر خاندان کے لئے قربانی ہے۔ پھر قوم کے لئے قربانی ہے۔ اور اس سے بھی بلند ملک کی خاطر قربانی ہے۔

سب سے بلند قربانی وہ ہے جو اللہ کی راہ میں کی جائے

مگر سب سے بلند قربانی وہ ہے جو فی سبیل اللہ کی جائے۔ اللہ رب العالمین ہے۔ اس کی راہ میں قربانی گویا تمام عالم کے لئے قربانی ہے۔ اس قربانی میں ذاتی غرض نہیں، قومی نہیں، ملکی نہیں، بلکہ یہ اس لئے ہے کہ تمام انسان بہترین انسان بن جائیں۔ خدا کے سامنے لوگوں کو لانے سے یہ مقصد ہے کہ اس جگہ پہنچ کر ایک دوسرے کے ہمدرد ہوں چنانچہ **''اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال خرید لئے ہیں''** (111:9) ایسا سبق ہے کہ اسے ہر فرد جماعت کو ہر لحظہ اپنے سامنے رکھنا چاہئے۔ تھوڑا ہو سکے یا بہت مگر ہر وقت سامنے رہے کہ جان اور مال خدا کی امانت ہے۔ خدا اس کا مالک ہے۔ اور جس وقت وہ مانگے، بلا عذر پیش کر دے۔

(خطبہ جمعہ 16 ستمبر 1938ء)

☆☆☆☆

حج وقربانی

قاری غلام رسول صاحب

حج کے لغوی معنی کسی چیز کی زیارت کا قصد کرنا اور شریعت کی اصطلاح میں ضروری عبادات کی بجا آوری کے لئے خانہ کعبہ کی زیارت کو جانا اور مناسکِ حج ادا کرنا ہے۔

حج ارکان اسلام میں سے ہے اور ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو صاحب استطاعت ہو اور سفرِ خرچ رکھتا ہو۔ ارشادِ خداوندی کا ترجمہ ہے:

''اور لوگوں کے لئے حج بیت اللہ فرض ہے جو اس کی طرف جانے کی استطاعت رکھتا ہو''۔(سورۃ آل عمران 97)

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اور حج اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو''۔

(سورۃ البقرہ۔196)

اسی طرح سورۃ الحج مکی زندگی کے خاتمہ کے قریب نازل ہوئی اور اس میں حج کو اسلام کا ایک رکن قرار دیا گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ترجمہ: ''اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو وہ تیری طرف آئیں گے، پیدل اور ہر طرح کی کمزور سواریوں پر، دُور دراز کے راستوں سے تاکہ اپنے فوائد کا مشاہدہ کریں اور مقرر دنوں میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کریں جو چار پائے ان کو دیئے گئے ہیں ان پر''۔(سورۃ الحج 28-27)

حج اتحاد اور مساوات کا مظہر

حج ایک عاشقانہ سفر ہے جو، ملتِ اسلامیہ کی وحدت، مساوات اور اخوت کا مظہر ہے۔ حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''دنیا کسی ایسے موثر نظام کو پیش کرنے سے قاصر ہے جسے رنگ ونسل اور طبقاتی امتیازات کو ختم کرنے میں حج جیسا حیرت انگیز کمال حاصل ہو، ہر رنگ ونسل کے لوگ ہی خدا کے مقدس گھر کے سامنے اس کے عبادت گذار ہو کر ایک خدائی کنبہ کے افراد کی حیثیت میں ایک جگہ جمع ہوتے ہیں بلکہ وہ تمام ایک ہی لباس (یعنی دو سفید چادروں) میں ملبوس ہوتے ہیں اور کوئی بات ایسی نہیں رہ جاتی جس سے اعلیٰ وادنیٰ میں کوئی تمیز کی جاسکے۔ یہ انسانوں کا ایک جم غفیر ہوتا ہے سب کے سب بلا استثناء ایک ہی لباس پہنے ہوئے ایک ہی راستہ پر گامزن ہوتے ہیں اور سب کی زبان پر ایک ہی کلمہ ہوتا ہے۔ **''اے اللہ! ہم تیری جناب میں حاضر ہیں ہم تیری جناب میں حاضر ہیں''**۔ یہ حج اور صرف حج ہی ہے جو اس چیز کو حیطہ امکان میں لے آتا ہے جو بصورت دیگر ناممکن محض نظر آتی ہے یعنی تمام لوگ خواہ وہ کسی طبقہ یا کسی سرزمین سے تعلق رکھتے ہوں۔ ان سب کا ایک ہی زبان بولنا اور ایک ہی لباس پہنا۔ اس طرح ہر ایک مسلمان کو اپنی زندگی میں کم از کم ایک دفعہ مساوات کے اس تنگ دروازہ میں سے گذرنا پڑتا ہے جو وسیع انسانی برادری کی طرف لے جاتا ہے۔ تمام انسان پیدائش اور موت میں برابر ہیں۔ وہ ایک ہی راستہ سے آتے ہیں اور ایک ہی راستہ سے جاتے ہیں لیکن صرف حج ہی ایک ایسا موقع ہے جس میں ان کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ وہ کس طرح ایک ہی طریق سے زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ کس طرح ایک ہی طریق سے عمل کر سکتے ہیں اور کس طرح ایک ہی طریق سے محسوس کر سکتے ہیں۔ حج صرف صاحب استطاعت مسلمانوں پر فرض ہے اور زندگی میں صرف ایک دفعہ فرض ہے بعد ازاں نفل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص صاحب استطاعت ہونے کے باوجود حج نہ کرے وہ خواہ یہودی ہوکر مرے یا نصرانی، اللہ کو اس کی پرواہ نہیں۔ (حدیث نبوی)۔ جو شخص خود حج کرنے کے قابل نہ ہو بوجہ بڑھاپا اور معذوری وغیرہ اس کی طرف سے دوسرا شخص حج کرسکتا ہے۔ جس کو حج بدل کہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فضل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھے کہ قبیلہ خثعم سے ایک عورت آئی اور پوچھا کہ میرا باپ بوڑھا ہے، سواری پر بیٹھنے کے قابل نہیں تو کیا میں اس کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا "ہاں" اور یہ حجۃ الوداع کا موقع تھا۔ (صحیح بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ حج میں نیابت جائز ہے یعنی ایک شخص دوسرے کی طرف سے حج کرسکتا ہے تاہم جسمانی اور بدنی عبادات جیسے نماز میں نیابت درست نہیں صرف مالی عبادات میں نیابت جائز ہے۔

قربانی کے بارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترجمہ "اور ہم نے ہر قوم کے لئے قربانی مقرر کی ہے تاکہ اللہ کا نام اس پر یاد کریں جو اس نے انہیں چارپائے جانوروں سے دیئے ہیں پس تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو اسی کے فرماں بردار ہوجاؤ اور عاجزی اختیار کرنے والوں کو خوشخبری دے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل خوف محسوس کرتے ہیں اور اس پر صبر کرنے والے جو انہیں (تکلیف) پہنچتی ہے اور نماز کے قائم کرنے والے اور وہ اس سے جو ہم نے انہیں دیا ہے خرچ کرتے ہیں اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے نشانوں سے ٹھہرایا ہے۔ تمہارے لئے ان میں بھلائی ہے تو اللہ کا نام ان پر یاد کرو جب وہ قطار باندھے ہوئے ہوں پھر جب وہ پہلو کے بل گر پڑیں تو ان سے کھاؤ اور سوال کرنے والے اور سوال نہ کرنے کو کھلاؤ۔ اسی طرح ہم نے انہیں تمہارے کام میں لگا دیا ہے تاکہ تم شکر کرو۔ نہ ان کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون لیکن اسے تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے۔ اسی طرح اس نے انہیں تمہارے کام میں لگا دیا تاکہ تم اس پر اللہ کی بڑائی کرو جو اس نے تمہیں ہدایت کی اور احسان کرنیوالوں کو خوشخبری دو"۔ (سورۃ الحج 25 تا 28)

قربانی کی اصل غرض یہ ہے کہ کل خواہشات حیوانی و سفلی کو اس معبود حقیقی کی فرمانبرداری کے سامنے قربان کردیا جائے بظاہر ایک جانور ذبح کیا جاتا ہے لیکن درحقیقت یہ جذبہ ہے کہ میں ضرورت کے وقت خود کو اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے قربان کردوں گا۔

دل میں خوف الٰہی، مصائب پر صبر، نماز کے ذریعہ اپنے نفس کی اصلاح کرنا اور اپنے مال اور قویٰ کو جو اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں مخلوق خدا کی بھلائی میں لگا دینا یہی چیزیں ہیں جو انسان میں قربانی کی روح پیدا کرتی ہیں جس سے اس کی خواہشات سفلی بکلی حالتِ اعتدال پر آجاتی ہیں۔ قربانی کی اصل غرض تقویٰ پیدا کرنا ہے نہ کہ محض گوشت کھانا اور خون گرانا۔ اسی لئے ارشاد ہے کہ:

"ان کا گوشت اور خون اللہ کو نہیں پہنچتا صرف تقویٰ پہنچتا ہے"

تقویٰ دل کی ایک کیفیت کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کا تعلق قلوب سے ہے نہ کہ اجسام سے۔ اس لئے قربانی کے بجائے صرف صدقہ وخیرات سے قربانی کا مقصد پورا نہیں ہوسکتا نہ کوئی صدقہ وخیرات قربانی کا قائمقام ہوسکتا ہے۔

قربانی کا عمل تقویٰ اطاعت لامر اللہ مشیت الٰہی اور صبر وتوکل سے ہے۔ یہ انسان پر ایسا اثر ڈالتا ہے کہ اس کا دل اللہ کے نام پر کانپ اٹھتا ہے۔

☆☆☆☆

قربانی کی حقیقت

محی الدین صاحب (وزیرآباد)

قربانی کا لفظ ''قرب'' سے لیا گیا ہے جس کے معنی قریب کرنے کے ہیں۔ چونکہ قربانی کا عمل انسان کو اپنے خالق سے قریب کرتا ہے۔ اس لئے اسے قربانی کہتے ہیں۔

قربانی کا تصور تقریباً دنیا کے ہر مذہب میں پایا جاتا ہے۔ مختلف مذاہب میں قربانی کی کیفیت، طریقہ اور فلسفہ جدا ضرور ہے لیکن قربانی کا وجود ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ قربانی کی تاریخی کھوج کی جائے تو تاریخ انسانی کے ابتدائی ادوار سے ہی اس کے وجود کے ثبوت ملتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کی قربانی کا ذکر قرآن میں بھی آتا ہے۔

قربانی دراصل ''بہیمی خواہشات'' کو ''ملکی خواہشات'' کے سامنے ذبح کرنے کا نام ہے۔ جب انسان ملکی خواہشات کی خاطر بہیمی خواہشات کو ذبح کرتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے قرب کا حق دار ٹھہرا تا ہے۔ اس کے ظاہری نشان کے طور پر جانور کو ذبح کیا جاتا ہے ورنہ خدا تعالیٰ کو خون اور گوشت کی کچھ حاجت نہیں۔ انسان کی طرف سے اگر کوئی چیز خدا تک پہنچتی ہے تو وہ صرف تقویٰ اور پرہیز گاری ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے تک تو انسان کی قربانی کا رواج بھی پایا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک شام کے رہنے والے تھے اور اس ملک میں کثرت سے انسانی قربانی کی جاتی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے رؤیا کے ذریعے حکم ہوا کہ اپنے پلوٹھے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر دیں۔ انبیاء کے رؤیا صداقت پر مبنی ہوا کرتے ہیں۔ حکم پاتے ہیں سردار المسلمین اس حکم کی بجا آوری کے لئے مستعد ہو گئے اور کامل فرمانبرداری کا نمونہ پیش کیا۔

اس حکم سے خدا تعالیٰ کی غرض اسماعیل علیہ السلام کی قربانی نہ تھی بلکہ خدا تعالیٰ کے مدنظر تو صرف رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کامل فرمانبرداری اور اطاعت شعاری کا کامل نمونہ رکھنا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے حکم خداوندی کی تعمیل کے لئے کمر کس لی۔ باپ بیٹے کو قربان کرنے کے لئے اور بیٹا قربان ہونے کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن خدا تعالیٰ جو اپنے بندوں پر نہایت ہی شفیق اور مہربان ہے نے اپنی رحمت سے انسان کی قربانی کے متبادل جانور کی قربانی مقرر فرما دی۔

سنت ابراہیمی کا یہ سلسلہ امت محمدیہؐ کے لئے بھی مشروع قرار پایا۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے کہ:

ترجمہ: ''ہم نے ہر امت کے لئے قربانی مقرر کی تا کہ وہ چوپائیوں کے مخصوص جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے'' (الحج: 39)

آنحضرت صلی اللہ علیہ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ ترجمہ: ''**اپنے رب کی نماز پڑھ اور قربانی کر''۔ (الکوثر)**

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی تعمیل کی، جامع الترمذی ابواب الاضاحی میں آتا ہے کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں دس سال قیام فرمایا اور اس دوران آپؐ نے اپنی اُمت کو بھی قربانی کی تلقین کی۔ بیہقی میں باب الذبائح میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''میں خرچ کرنے والے مال سے زیادہ فضیلت نہیں رکھتا''۔

اسی طرح جامع الترمذی کی ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''**عید الاضحیٰ کے دن کوئی نیک عمل اللہ کے نزدیک قربانی کا خون بہانے سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ نہیں۔ قیامت کے دن قربانی کا جانور اپنے بالوں، سینگوں اور کھروں سمیت آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبولیت حاصل کر لیتا ہے۔ اس لئے خوش دلی سے قربانی کرو**''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر صاحب استطاعت کو سختی سے قربانی کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: **”جو شخص فراخی پائے اور قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے۔ (احمد)**

اللہ تعالیٰ کے حکم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے پیش نظر مسلمان ہر سال عید الاضحیٰ کے موقع پر یعنی ذولحجہ کی 10,11,12 تاریخ کو سنت ابراہیمی کی یاد میں قربانی کرتے ہیں۔

ایک جانور کی قربانی سے ایک اطاعت شعار مومن کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہے۔ وہ اپنی خواہشات، جذبات اور احساسات پر اپنے مالک کے حکم کی چھری رکھ دے۔ ہر قسم کی محبت خدا کی محبت کے سامنے ہیچ ہو۔ وہ فرمانبرداری اور اطاعت کے لئے ہر لحظہ تیار رہے۔ اس کا ہر عمل اس مالک کی رضا مندی کی خاطر ہو۔ دنیا کی اس کو پرواہ نہ ہو اور اس کے دل و زبان یک جان ہو کر یہ اعلان کر رہے ہوں کہ:

”میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا سب اللہ کی رضا مندی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے“۔ (سورۃ الانعام: 162)

اور یہ اس لئے کیونکہ ایک جانور جسے ہم پالتے ہیں یا چند ہزار کے عوض خریدتے ہیں اور حقِ مالکیت جتاتے ہوئے اس کی گردن پر چھری چلا دیتے ہیں تو وہ مالک جو نہ صرف ہمارا رزق اور روزی رساں ہے بلکہ خالق بھی ہے۔ ہمارے نیست سے ہست کے تمام مراحل اسی کے دست قدرت کی بدولت ہیں۔ وہی ہماری ہستی کے قیام کا موجب ہے۔

اس رحمان کے ان گنت احسانات ہماری ذات پر ہیں، وہی زمین و آسمان سے ہمیں رزق دیتا ہے اور ہمیں ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ تک لے کر جاتا ہے۔ ہماری کوششوں کو بارآور کرتا ہے۔ وہ اس اختیار اور مالکیت سے بہت بڑھ کر جو ہم ایک جانور پر رکھتے ہیں، ہم پر اقتدار، اختیار اور حق رکھتا ہے۔ قربانی کے عمل میں اسی حق خداوندی کی یاد دہانی کا سبق ہے جو ہر سال ہم دہراتے ہیں اور یہ ہی وہ یاد دہانی ہے جو ہمیں خدا سے قریب کر دیتی ہے اور یہی وہ قربانی ہے جو خدا کی نظر میں قابل قبول ہے۔

زندہ نبی

نوعِ انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ وجلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے خدا سچ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے اور اس کے ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے خدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے کہ اس کے افاضہ تشریعی اور روحانی کو قیامت تک جاری رکھا۔ (کشتی نوح، ص ۱۳)

غیرتِ عشق

”ہم شورہ زمین کے سانپوں اور بیابانوں کے بھیڑیوں سے صلح کر سکتے ہیں لیکن اُن لوگوں سے ہم صلح نہیں کر سکتے جو ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر، جو ہمیں اپنی جان اور ماں باپ سے بھی پیارا ہے، ناپاک حملے کرتے ہیں۔“

(حضرت مرزا غلام احمد قادیانی)

تاریخی نبیؐ

حضرت خواجہ کمال الدین مرحوم و مغفور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی یا سیرت پر ابتداہی سے بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اس موضوع پر لکھنے والا میں پہلا نہیں ہوں۔ تمام گذشتہ زمانے میں عربی، ایرانی اور ہندوستانی عالم اور اولیاء اللہ، ولی فخر وعقیدت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات کا تذکرہ کرتے رہے ہیں۔

نبی کریم صلعم کے ظہور کے وقت دنیا کی حالت کا نقشہ

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ یورپ جہالت کے تاریک ترین پردوں میں پوشیدہ تھا اور ایران میں مزدؔکی اور ہندوستان میں پرانوں کے عقائد کا دور دورہ تھا۔ فعل زنا جو اپنے خوفناک نتائج کے لحاظ سے قتل ہے دوسرے درجہ پر ہے۔ اکثر مقدس رسوم کا ایک لازمی جزو قرار پا گیا تھا۔ اور اس ناپاک فعل کا ارتکاب مذہب کی اجازت سے کیا جاتا تھا جب مسیحی مرد، عورتیں اتوار کے دن کیتھولک پادری کے پاس (کانفشن) تخلیہ میں جا کر اپنے گناہوں کا اقرار کرتی تھیں تو جس قدر گناہ معاف ہوتے تھے۔ اس سے کہیں زیادہ لاحق ہو جاتے۔ سید امیر علی مرحوم ''اسپرٹ آف اسلام'' میں لکھتے ہیں ''مسیحی دنیا کی مذموم اخلاقی اور دینی حالت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے جو فلسطین جیسے شان و شوکت والے مسیحی تاجدار اور قانون ساز کے دورِ حکومت میں تھی۔ لوگوں کے معیار میں خانگی یا شہری نکوکاری کی کوئی قدر و منزلت باقی نہ رہتی تھی۔ چنانچہ ایک زنِ فاحشہ قیصر روم کے ساتھ تختِ سلطنت پر جلی گرتھی اور کوئی معترض نہ ہوتا تھا۔ ''تھیوڈورا'' وہ عورت تھی جس نے شہر قسطنطنیہ میں علانیہ طور پر زانیہ کا لقب حاصل کیا تھا اور اس کی عیاشی اور بدکاری کے افسانے زباں زدِ خلاق تھے لیکن جب وہ ملکہ بن گئی تو بڑے بڑے قاضیوں، دیندار اسقفوں، فاتح سپہ سالاروں اور مفتوح بادشاہوں، غرضیکہ تمام مسیحی دنیا نے اسے اپنا حاکم اور آقا تسلیم کرلیا۔ اس کا ظالمانہ طرزِ عمل سلطنت کے دامن پر ایک بدنما داغ تھا۔ اس کی نظر میں نہ اخلاق کی کوئی وقعت تھی نہ مذہب کی۔ چنانچہ بغاوتوں، بلوؤں، خونریز، ہنگاموں اور طوفانی بے تمیزیوں کا بازار گرم ہوگیا۔ اور پادری لوگ دل کھول کر اس میں حصہ لیتے تھے۔ ان موقعوں پر ہر ایک قانونِ انسانی یا خدائی بالائے طاق رکھ دیا جاتا تھا۔ گرجوں کی قربان گاہیں بے گناہوں کے خون سے آلودہ ہوا کرتی تھیں۔ اور تمام سلطنت میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جسے جائے امن کہا جاسکتا۔ ایران میں صدیوں سے پیشتر اٹازرکیسز نیمین نے جو سائرس کا بھائی تھا فیلک عقائد کی نشر و اشاعت کردی تھی۔ اور اس زمانے میں مزدک نے ان کی خوب ترویج وحمایت کی۔ چنانچہ ان شرمناک عقائد خصوصی میں یہ عقیدہ بھی شامل تھا کہ ایک عورت کئی مردوں کی زوجہ بن سکتی ہے۔ اس نے جملہ شرمناک مناظر اور عیاشانہ طرزِ عمل شرابخواری، بدمستی اور بے حیائیوں کی اجازت دے دی تھی، ہندوستان میں بھی یہ ناپاک رسم اشتراک فی النساء جاری تھی کیونکہ شکتک مت نے اس فعل کی اجازت دے دی تھی کہ شکتک مذہب کا پروہت اپنی ذاتی دلچسپی کے لئے دوسروں کی ازواج میں شریک ہوسکتا تھا۔ اس خواہش کو ہر شخص جائز سمجھتا تھا اور نئی دلہن عموماً شادی کے بعد پہلا ہفتہ اپنے مذہبی پیشواؤں کی خلوت گاہوں میں بسر کرتی تھی۔ اس کا خاونداس بے حیائی کو مستحسن یقین کرتا تھا۔ بدیں خیال کہ اس طرح آسمانی برکات ان کے شامل حال ہو جائیں گی۔ جس کی وجہ سے ان کی متاہل زندگی عیش وعشرت سے گذرے گی۔ اس زمانہ کی بعض راتیں بدترین بے حیائی کا نظارہ پیش کرتی تھیں۔ جبکہ شراب سے مست ہو کر عورت مرد دونوں بدترین گناہوں کے مرتکب ہوتے تھے کیونکہ ان کے عقیدہ میں شکتک بھجن جو اس موقعہ پر گائے جاتے تھے خود ان بے حیائیوں کو شرافت میں متبدل کر دیتے تھے۔ کسی قوم یا ملت کا معیار نکوکاری اس کے تخیل الوہیت سے معلوم ہوسکتا ہے کیونکہ ہر قوم اپنے

خدایا معبود سے بہترین صفات منسوب کرتی ہے تو اس زمانہ کے ہندو دیوتا بدترین صفات رذیلہ کے مظہر تھے۔ کیونکہ ان دیوی دیوتاؤں کے سوانح حیات گوناگوں بدکاریوں کا مرقع تھے۔

عرب کی حالت

لیکن عرب کا خطہ ان تمام ممالک سے بڑھا ہوا تھا، دنیا کی تاریخ ایسی تاریک زندگی کی نظیر پیش کرنے سے عاری ہے۔ شراب خوری، زناکاری، قمار بازی وہاں کے لوگوں کا شغل ہمیشگی تھا۔ قتل وغارت، اطفال کشی اور قزاقی وغیرہ ان کا طغرائے امتیاز تھے۔ ان میں کسی قسم کی اخلاقی یا مذہبی قیود کا پتہ نہ تھا۔ نکاح کی کوئی حد مقرر نہ تھی۔ طلاق پر کوئی پابندی نہ تھی۔ قطع نظر عیاشی اور بدکاری سے وہ لوگ عموماً اُمِّ سائی کے عادی تھے۔ بیٹے اپنی بیوہ ماؤں کو اپنی ازواج خیال کرتے تھے۔ شادی شدہ عورتیں غیر مردوں سے ناجائز تعلقات رکھنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتی تھیں۔ بلکہ بسا اوقات ان کا تذکرہ ازراہِ فخر ومباہات کیا کرتی تھیں اور ایک عورت کے جس قدر زیادہ مردوں سے ناجائز تعلقات ہوتے اسی قدر وہ دوسری عورتوں سے ممتاز خیال کی جایا کرتی تھی۔ انسانی قربانی کا عام رواج تھا۔ بیٹی کو بروقت ولادت زندہ دفن کرنا معمولی بات تھی۔ رات دن خانہ جنگی اور خونریز لڑائیوں کا چرچا تھا۔ بات بات پر ایک دوسرے کو قتل کر دیا جاتا۔ لوٹ مار، قتل و غارت اور انتقام کے جذبات اس درجہ ترقی کر گئے تھے کہ جب تک عورتیں اپنے دشمنوں کے خون سے اپنے کپڑوں کو نہ رنگتیں چین نہیں آتا تھا مختصر یہ کہ کوئی برائی جو متصور ہو سکتی ہے۔ ایسی نہ تھی جو ان لوگوں میں موجود نہ ہو۔ اس مذموم حالت میں یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ عرب کے باشندے صورت کے لحاظ سے انسان تھے۔ لیکن عادت کے لحاظ سے حیوانات سے بھی بدتر تھے۔ یہ ہے وہ تصور جو مسٹر گیبن نے اس زمانے کے عربوں کی بیان کی ہے۔ یہ سچ ہے کہ تاریخ عالم کے ہر دور میں بدکاری اور بداخلاقی موجود رہی ہے۔ لیکن اس زمانے کو بدترین زمانہ کہہ سکتے ہیں جبکہ لوگوں کی اخلاقی حسیات عمیق ترین قعر میں جا پڑی تھی۔ یعنی جبکہ برائی کو بھلائی سمجھ لیا گیا، اگر دنیا میں کسی نبی کی ضرورت تھی تو اس وقت جس طرح تاریکی کے بعد اجالا اور خشکی کے بعد بارش کا ہونا عین مقتضائے فطرت ہے۔ اسی طرح انسانی بداخلاقیوں کا خاتمہ کرنے کے لئے نبی کا مبعوث ہونا فطری تھا جبکہ یہ وہ زمانہ تھا کہ تمام دنیا پر بدکاری کا پردہ پڑا ہوا تھا اور بُت پرستی، جہالت، توہم پرستی اور بے حیائی کا دور دورہ تھا۔ نیکی دنیا سے کسی حرفِ غلط کی طرح مٹ گئی تھی اور بدی کا نام نیکی پڑ گیا تھا۔

الہامی کتب میں تحریف

چھٹی صدی عیسوی میں الہامی کتابوں کی صحت اس درجہ مشتبہ ہو چکی تھی اور خدا کا کلام انسانی افتراء پردازیوں کے باعث اس قدر مُلوّث ہو چکا تھا تو یہ یقین کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمام دنیا کو اسی طرح تاریکی میں چھوڑ دینا گوارہ کیا ہو۔ بیشک اس نے حسب عادت اپنی مرضی بندوں پر ظاہر فرمائی ہوگی۔ اور اپنی وحی کو دوبارہ پاک کیا ہوگا۔ ضرورت الہام پر روشنی ڈالتے ہوئے قرآن نے اس مسئلہ کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے:

"ہے لوگوں کا دین ایک پھر بھیجے اللہ نے نبی، خوشی اور ڈر سناتے اور اتاری ان کے ساتھ کتاب سچی کہ فیصلہ کرے لوگوں میں جس بات میں وہ جھگڑا کریں اور کتاب میں جھگڑا نہیں ڈالا۔ مگر ان لوگوں نے جن کو ملی تھی بعد اس کے کہ ان کو پہنچ چکے صاف حکم آپس کی ضد سے۔ پھر اب راہ دی اللہ نے ایمان والوں کو اس سچی بات کی جس میں وہ جھگڑے کر رہے تھے۔ اپنے حکم سے اور اللہ چلاوے جس کو چاہے سیدھی راہ"۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۱۳)

اس آیت کا مطلب بالکل واضح ہے۔ مختلف اقوام کو ہدایت دی گئی تھی لیکن انہوں نے اس کی خلاف ورزی کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر انبیاء بھی مبعوث ہوئے لیکن ہر قوم نے انحراف کیا اور ان کی تعلیمات کے متعلق نزاعات پیدا ہو گئے اور سب سے بدتر حالت مسیحیت کی تھی۔ اب یا تو ہر قوم میں ایک نبی آتا جو ان کے اختلافات رفع کرتا یا ایک ہی کامل نبی ایسا ہوتا جو تمام دنیا کو پیغام امن سناتا اور اس کی صداقت کا دوبارہ اعلان کرتا جو انبیائے سابقین لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب نے ان الفاظ میں ساری بحث کا خلاصہ پیش کر دیا ہے۔

''وقسم اللہ کی ہم نے رسول بھیجے کتنے فرقوں میں تجھ سے پہلے، پھر سنوارے شیطان نے اس کے کام سو وہی رفیق ان کا ہے آج اور ان کو دکھ کی مار ہے اور ہم نے اتاری تجھ پر کتاب اسی واسطے کہ کھول سناوے ان کو جس میں جھگڑ رہے ہیں اور سوجھانے کو اور رحمت ان لوگوں کے لئے جو مانتے ہیں''۔ (النحل 64-63)

آنحضرت صلعم نے کیا کیا!

اس احسان عظیم کا بھی تھوڑا سا ذکر کر دوں جو آنحضرت صلعم نے تمام دنیا پر کیا ہے کیونکہ آپ نے دنیا میں از سر نو توحید کا عقیدہ قائم کیا اور اس وقت جبکہ تمام دنیا اس کو فراموش کر چکی تھی اور بدترین قسم کے شرک نے تمام مخلوقات کا احاطہ کر رکھا تھا۔ انڈے کے چھلکے سے لے کر خدا تک ہر شے پتھر، درخت، ہوا، پانی، دریا، بادل، آسمان، زمین، ستارے، چاند، سورج غرضیکہ کل کائنات خدائے مجسم تھی اور لائق عبادت، بلکہ لوگ یہاں تک گر گئے تھے کہ اپنے جذبات اور شہوات کی بھی عبادت کرتے تھے۔ اگر ہندوستان میں ہزاروں مورتیں نفسانی خواہشات کی تکمیل کی خاطر پوجی جاتی تھیں تو عیسائیت میں بھی بہت سے اولیاء اور پیران ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے موجود تھے، شاکت عقیدہ کے لوگ اس زمانے میں بکثرت پائے جاتے تھے۔ ان کے بعض قدیم مندر اب بھی ہندوستان کے بعض حصوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان مندروں کی دیواروں میں مثلاً بنارس میں نہایت فحش تصاویر بنی ہوئی ہیں جن کو دیکھنے کی کوئی شریف آدمی تاب نہیں لاسکتا۔ شاید دنیا کے پردہ پر اس سے زیادہ بے حیا مناظر دیکھنے میں نہیں آسکتے اور جو حیا سوز افعال اس زمانے میں ان مندروں کے اندر کئے جاتے ہوں گے۔ ان کا تصور کرنا ہمارے لئے کوئی مشکل نہیں ہے جبکہ یہ سب ناپاک افعال مذہب کے نام سے جائز قرار دیئے جاتے تھے۔ پس ناظرین غور کریں کہ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کا اعلان کیا اس وقت کی مذہبی زندگی سے کوئی اور تاریک تر زندگی تصور میں آسکتی ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی توحید نہایت استوار طریقہ سے دنیا میں قائم کی۔ اگر مذہب کے نزول کی غایت یہ ہوتی ہے کہ بندوں کو عرفان الٰہی حاصل ہو اور بندے اپنے معبود کی صفات سے آگاہ ہوں تو کیا دنیا کی کوئی تاریخ آنحضرت صلعم سے بہتر کسی شخصیت کا پتہ دے سکتی ہے جس نے مذہب کی خدمت آپؐ سے احسن اور اعلیٰ طریق پر کی ہو؟

تاریخ نبوت میں آنحضرت صلعم کی عدیم المثال شخصیت

دنیا میں متعدد مذہب پائے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے ان رسولوں نے دنیا میں الٰہی روشنی پھیلائی اور یہ لوگ دنیا والوں کے لئے معلم بھی تھے اور نمونہ بھی۔ یعنی جن باتوں کی بحکم خدا انہوں نے تعلیم دی۔ ان باتوں پر خود عمل کر کے بھی دکھا دیا لیکن ان کے ہم عصروں نے ان کی تعلیمات اور سنت کو محفوظ رکھا۔ جو کچھ ہم تک پہنچا ہے۔ محض روایات اور اس میں بھی تحریف کی گنجائش اس قدر ہوئی کہ ہر مذہب کی تعلیم ایک صدی سے پہلے ہی محرف ہوگئی اور آئندہ نسلوں کو وہ مذہب ملا جس کا تخیل بھی بانی مذہب کے ذہن میں نہ تھا۔ مختلف انبیاء کے متعلق معاصرانہ شہادت کی عدم موجودگی سے ایک اور قباحت پیدا ہوگئی۔ سابقہ مذاہب میں سے کوئی بھی اپنے اندر یہ بات نہیں رکھتا کہ جملہ امکانی ضروریات انسانی کا علاج کر سکے۔ اس لئے مختلف مسائل میں مختلف اشخاص نے مختلف فیصلے کئے اور وحدت خیال غائب ہوئی۔

حضرت نبی کریم صلعم کی تاریخی حیثیت

آنحضرت صلعم ایک روشن تاریخ شخصیت کے مالک ہیں۔ جن کی مقدس زندگی کے لاتعداد واقعات خود آپ کے ہمعصروں نے ہماری ہدایت کے لئے قلمبند کر دیئے ہیں۔ آنحضرت صلعم فی الحقیقت ایک تاریخی انسان ہیں جن کی شخصیت کے متعلق شک وشبہ کی مطلق گنجائش نہیں اور آپ ہی صرف ایک ایسے رسول ہیں جو صحیح معنوں میں تاریخی انسان کہے جاسکتے ہیں۔ بچپن سے لے کر تادمِ وفات اور خصوصاً اس زمانہ کے حالات جو آپ کی نبوت ورسالت کا زمانہ ہے سب کے سب تحریری طور پر محفوظ ہیں۔

آنحضرت صلعم کی برتری کا راز

دیگر انبیاء کی زندگی روایات اور پردوں میں چھپی ہوئی ہے ان کی روزمرہ

زندگی کے متعلق بہت ہی کم معلومات حاصل ہیں ان کے اقوال بھی مبہم اور مجمل ہوتے ہیں۔ اگر انہیں کسی زمانہ کا فرقرار دیدجائے تو اس صورت میں ان کے سوانح حیات لائق اعتناء ہوسکتے ہیں ورنہ نہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام تاریخی شخصیتوں سے زیادہ تاریخی وقعت رکھتے ہیں اور شہادت کے اس انبار میں آپؐ کے دشمنوں کو کوئی بات مشکل ہی سے ایسی ملے گی جسے وہ آپؐ کے خلاف استعمال کرسکیں۔ اسی بات میں آنحضرت صلعم کی برتری کا راز مضمر ہے۔ اور اسی وجہ سے ہم آپؐ کے اقوال اور افعال سب جوں کے توں محفوظ ہیں۔ نیز آپؐ کی تعلیم اور عمل میں ایک عجیب مطابقت پائی جاتی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے جملہ انسانی ضروریات کو ذہن میں رکھ کر اور جملہ روحانی حوائج کو مدنظر فرما کر اپنے اقوال اور اعمال سے اب سب کا علاج مہیا فرما دیا تھا۔

عملی نمونہ کے بغیر منصبِ نبوت بے فائدہ ہے

اگر آنحضرت صلعم کے سوانح حیات ہمارے سامنے نہ ہوتے تو ہم خدا کی قائم کردہ نبوت کا مطلب اور مفہوم سمجھنے سے قاصر رہتے۔ اگر نبی یا رسول کی بعثت صرف اسی لئے ہوتی ہے کہ وہ چند مواعیظ یا خطبے پبلک کے سامنے دیدے یا مختلف موقعوں پر وہ باتیں بیان کردے جو اس سے پہلے بہتوں نے بیان کردی ہیں تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس آسمانی منصب نبوت سے انسانوں کو کونسا معتد بہ فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ اتنی باتیں تو ہم ان لوگوں سے بھی حاصل کرسکتے ہیں جنہوں نے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کیا۔

مقدس کتابوں میں بہت سی نصائح اور کارآمد باتیں درج ہوتی ہیں لیکن موثر نہیں ہوتیں۔ کیونکہ ناصحین نے ان کو عملی لباس پہنایا ہی نہیں ہوتا۔ اور اگر عملی یا نمونہ موجود نہ ہو تو بعض اوقات ان نصائح سے نفع کی جگہ نقصان بھی پہنچ جاتا ہے۔ اس موقع پر عموماً یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنی عقل سے کام لیتے ہیں اور ایسے افعال کرتے ہیں جو شاید ناصحین کے خیال میں بھی نہ آئے تھے۔ جب کبھی حکومت برسرِ بیکار ہوتی ہے تو یہ لوگ جنگ کی خوبیوں پر وعظ بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ 1918ء میں بشپ آف مسیحیت کی تعلیم اور اس کا عمل محراب مرمریں میں کیا تھا۔ اور جب جنگ ختم ہوجاتی ہے تو یسوع کے وعظ کو ہی بیان کرنے لگتے ہیں۔ عاجزی، رحمدلی، بردباری، حلم، عفو، عدم تشدد وغیرہ منجملہ ان خصائص کے ہیں جن پر مسیحیت فکر کرتی ہے لیکن اس کی تاریخ دیکھ کر تو اور ہی رنگ نظر آتا ہے۔ وہاں تو بے رحمی، ستم رانی، دل آزادی اور خونخواری کی داستانیں زیب اوراق ہیں۔ اگر یسوع کی بیان کردہ تعلیمات کے ساتھ ان کے افعال بھی محفوظ ہوتے تو اس کے پیرو کم از کم از راہِ الفت اس کے ان افعال ہی کی تقلید کرتے۔

منفی صفات قابلِ تعریف نہیں

واضح ہو کہ استعداد کسی فعل کا ثبوت نہیں ہوسکتی اور معلمین اخلاق کے معاملہ میں منفی صفات کوئی قابلِ تعریف بات نہیں ہیں۔ کیونکہ نہ ان کے بیان کرنے میں کوئی دشواری ہوتی ہے اور نہ ان سے طالبان اسوہ کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ ہم خود دوسروں کے سامنے گھنٹوں رحمدلی اور محبت کے فوائد پر لیکچر دے سکتے ہیں۔ لیکن محض زبان سے کہہ دینے سے ہمارے الفاظ میں کوئی تاثیر نہیں پیدا ہوسکتی۔ علاوہ ازیں جو بات خود ہمارے تجربہ میں نہیں آئی وہ ہم دوسروں کو کس طرح بتا سکتے ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ جب تک کوئی شخص خود ان باتوں پر عمل کرکے نہ دکھائے جن کی تلقین وہ دوسروں کو کرتا ہے۔ اس وقت تک اس شخص کو کوئی بڑی عزت نہیں دی جاسکتی خواہ اس کے دعاوی کتنے ہی بلند و بانگ کیوں نہ ہوں۔

انبیاء کے متعلق مسلمانوں کا نظریہ

انبیاء کے متعلق مسلمانوں کا نظریہ یہ ہے کہ اگر وہ کسی شخص کو نبی یقین کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہ جو کچھ اس نے مخلوق کو سکھایا ہوگا۔ اس پر خود بھی عمل کیا ہوگا۔ نیز یہ کہ جملہ انبیاء ایک ہی مقصد عالیہ کی تکمیل کے واسطے مبعوث ہوئے تھے۔ اور تمام لوگ امت واحد ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو ''بشرِ و نذیر'' بنا کر بھیجا اور ان پر سچائی سے لبریز کتابیں بھی نازل فرمائیں۔

(قرآن مجید ۲:۲۱۳)

تمام انبیاء کو دو کمیوں سے سابقہ پڑتا رہا ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ زندگی کی مختلف منازل میں سے ہو کر نہیں گذرے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اس سے انہیں انسانیت کے مختلف پہلوؤں کو مخلوق کے سامنے لانے کا موقع نہ مل سکا۔ اگر ملتا تو وہ لوگ وہی کرتے جس کی ایک خدا کے نبی سے توقع ہو سکتی ہے۔

نبی کا کام ارتقائی منازل طے کرانا ہے

کسی نبی کا منصب نبوت صرف چند معجزات یا چند مواعیظ، چند دعاؤں یا چند بددعاؤں پر منحصر نہیں ہوتا۔ نبی تو اس وقت آتا ہے جب مخلوق پر اخلاقی، ذہنی اور روحانی موت طاری ہو۔ اور اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ اس مخلوق کو از سر نو زندہ کرے۔ پس وہ اپنے اعلیٰ اصول لاتا ہے۔ ان پر خود عمل پیرا ہوتا ہے اور دوسرے کو عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس طرح وہ اپنے ماحول اور حلقہ اثر میں زندگی کی لہر دوڑا دیتا ہے۔ مختصر یہ کہ نبی کا کام انسانیت کو ارتقائی منازل طے کرانا ہوتا ہے اور یہ مسئلہ کافی دشوار اور پیچیدہ ہوتا ہے۔ انسانیت کے پہلو ایک دو نہیں بلکہ صدہا ہوتے ہیں مثلاً طبعی، جذباتی، وجدانی، تمدنی، اخلاقی، اقتصادی، ذہنی اور روحانی وغیرہ اور یہ سب آپس میں مربوط ہوتے ہیں اور اپنی نشو ونما اور بقا کے لئے باہم گر محتاج جس وقت وہ اپنے مقررہ دائرہ میں عمل کرتے ہیں تو ایک دوسرے کو تقویت بھی پہنچاتے ہیں۔ اسی لئے ان میں سے کوئی پہلو بھی لائق خاموشی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر جذبات شہوانی کو لے لیجئے جن کے خلاف بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اور بعض نے ان کا قلع قمع کرنے کی نصیحت بھی دی ہے۔ لیکن ایسا کرنا خلاف فطرت ہے۔ سچ یہ ہے کہ یہ جذبات بھی ارتقائی منازل طے کر کے اعلیٰ اخلاق کی بنیاد اور روحانیت کا مبداء ہو جاتے ہیں۔ ایک نبی کا غرض ہے کہ وہ ان تمام جذبات کا لحاظ رکھے اور ایسا نظام کار قائم کرے جس کی مدد سے انسانوں کے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تمام جذبات یکساں طور پر نشو ونما حاصل کریں اور ہر وقت اس طرح قابو میں رہیں کہ ان کے جوہر ذاتی ترقی حاصل کریں اور وہ خود صفات واخلاق الٰہیہ سے متصف ہو جائیں۔

آنحضرت صلعم جامع کمالات ہیں

آنحضرت صلعم کی کامیابیاں اس نوعیت کی ہیں جن کی نظیر کسی دوسرے نبی کی زندگی میں نہیں مل سکتی۔ لیکن ہم مسلمان آپ کو اس وجہ سے ہی افضل الرسل تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کی ذات جامع کمالات جمیع انبیاء ہے۔ ہر نبی قوم کے لئے بمنزلہ ایک نصب العین کے تھا اور اسوہ حسنہ بنا کر بھیجا گیا تھا تا کہ افرادِ قوم اس کو اپنے سامنے رکھیں اور اگر ہمارے پاس اس کے سوانح حیات موجود ہوتے اور اسے وہ مواقع حاصل ہوتے جن کی بدولت اسے اپنی ذاتی قابلیت کے اظہار کا موقع ملتا تو وہ آج بھی ہمارے سب کے لئے نمونہ ہو سکتے تھے۔ جمیع صفاتِ نبوت آپ کی ذات میں جمع ہیں اور ہر کمال جو کسی نبی کی ذات میں تھا۔ آپ کی ذات میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ یعنی ''آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری'' جو خوبیاں کسی نبی کی ذات میں امکانی طور پر مجتمع ہو سکتی تھیں وہ سب آپ میں موجود ہیں۔

آنحضرت صلعم کی عدیم المثال شخصیت

ہم مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ سارے نبی، بنی نوع انسان کی بہبود کے لئے بہترین مقاصد لے کر مبعوث ہوئے تھے اور حتی الوسع انہوں نے اپنے مقاصد کی تکمیل بھی کی۔ ان کا کریکٹر دیگر افراد کے لئے نصب العین تھا۔ اور چونکہ وہ خدا کے نزدیک اور اطاعت گذار تھے اس لئے لامحالہ معصوم بھی تھے۔ یعنی گناہوں سے پاک چونکہ ان کے حالات ہمارے سامنے نہیں ہیں۔ لہذا مجبوراً ہمیں عرب کے مایہ ناز فرزند حضور صلعم کی طرف دیکھنا پڑتا ہے کہ اس عدیم المثال شخصیت نے خدا تعالیٰ کے انتخاب کو اپنی لیاقت سے کس حد تک لائق تحسین ثابت کیا ہے۔ اس مقصد کے لئے ہمیں اس کو کسی انفرادی حیثیت دینے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ بحیثیت انسان وہ خود ایک ارفع و اعلیٰ شخصیت ہیں ''صلی اللہ علیہ وسلم'' میں نے بحیثیت انسان اس لئے کہا کہ آپ خود انسانیت کے مدعی ہیں۔

نبی کا کامل نمونہ آنحضرت صلعم ہیں

''آمدم برسرِ مطلب'' کسی نبی کو نمونہ کامل ثابت کرنے کے لئے چند

باتوں کی ضرورت ہوتی ہے ۔ پہلے تو اس فرض منصبی کی اہمیت کا اندازہ لگانا چاہیے جواس کے سپرد کیا گیا ہو۔اس کے بعداس کی شخصیت کیونکہ کسی شخص کی فضیلت کے اثبات میں اس کی شخصیت بڑی حد تک معاون ہوتی ہے ۔ تیسری بات اس کا کیریکٹر یعنی خصائص طبعی جو گلدستہ صفات حسنہ ہونا چاہیے تا کہ دوسرے لوگوں کے لئے کافی نمونہ ہوسکے ۔اس کے علاوہ اس میں اس قدر استقلال اور ارادہ کی پختگی ہونی چاہیے کہ شدید ترین مصائب دینوی اس کو متزلزل نہ کرسکیں نیز ایک افضل ترین نبی کے لئے بہترین مزکی ہونا بھی ضروری ہے تا کہ وہ ان اصولوں کی عملاً تلقین کرے جن کی مدد سے بنی نوع آدم ترقی کی راہ پر گامزن ہوسکیں۔ نیز اس کے لئے اعلیٰ ترین مفسر اور شارح ہونا بھی ضروری ہے تا کہ وہ ہر بات کھول کر سمجھا سکے اور اس کی تعلیم میں ایسی وضاحت ہو کہ ہر درجہ کے تمدن کے لئے کارآمد ہوسکے۔ نیز اس کے لئے اسوۂ حسنہ ہونا بھی لازمی ہے تا کہ وہ اپنی تعلیمات کو عملی جامہ پہنا کر پبلک کے سامنے پیش کر سکے کیونکہ عمل بہرحال قول سے بہتر ہے اور اعمال الفاظ سے زیادہ زوردار ہوتے ہیں ۔ اور یہی وہ تمام خصائص ہیں جن کی بنا پر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم کرنے پر مجبور ہوں۔

سابق انبیاء کی زندگیوں پر تاریکی کا پردہ

وہ تو خدا تعالیٰ کی طرف سے پیغام لاتے ہیں۔اور اپنے طرز عمل سے اس کی وضاحت کردیتے ہیں جو احکام اس پر القاء کئے جاتے ہیں ان پر وہ سب سے پہلے خود عمل کرتا ہے اور دوسرے آدمیوں کو ان پر کاربند ہونے کی ترغیب دیتا ہے ۔ گو قولِ خدا اور فعل رسول دونوں مل کر انسان کی ہدایت کا موجب ہوتے ہیں ۔ اور اگر ان دونوں باتوں کی اصلیت قائم ہے اور سچائی کے ساتھ ۔ اس رسول کے متبعین اول ان کو ہم تک پہنچادیں تو نہ کسی نئے الہام کی ضرورت ۔۔۔۔۔اور نہ کسی نئے نبی کی ۔لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو کچھ بھی نازل ہوا انسانی غفلت کی وجہ سے ملوث ومحرف ہوگیا۔

قرآن آخری کتاب اور آنحضرت صلعم آخری نبی

خود اسلام سے پہلے انبیاء کے سوانح حیات ہی پہ تاریکی کا پردہ پڑ گیا۔ان کے متعلق ہماری معلومات بہت ہی محدود ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ نزول قرآن مجید اور بعثت رسول کریم صلعم دونوں امور عین انسانی ضرورت کے موافق ہیں اور اگر **یہ ثابت ہوجائے کہ قرآن مجید آج بھی وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھا تو پھر نہ کسی کتاب کی ضرورت ہے اور نہ کسی نئے نبی کی ۔ یہی وجہ ہے کہ ہم قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب کہتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کا آخری نبی اور رسول کہتے ہیں۔آپ کی صفت ختمیت کا اصل سبب آپ کی شخصیت نہیں بلکہ وحی الٰہی کی ختمیت ہے۔** جبکہ قرآن مجید میں ہماری ہدایت کے لئے کافی سامان موجود ہے اور وہ سامان کامل بھی ہے اور الٰہی مرضی کے عین مطابق بھی تو **اس صورت میں نئی نبوت تو محض بے سود تکرار اور ہیچ ثابت ہوگی۔**

ختمیّت الہام

قرآن مجید نے اس مذہب کا نام جس کی وہ تعلیم دیتا ہے صراط مستقیم رکھا ہے۔صراط مستقیم کے لغوی معنی ہیں ''سیدھا راستہ'' اگر یہ بات قرین عقل ہے کہ انسانی ہدایت کے لئے جو صراط یعنی راستہ وحی الٰہی کی معرفت دکھایا جائے گا وہ سب سے چھوٹا ہوگا۔اور اس سے زیادہ چھوٹا ہو نہیں سکتا تو یہ بات بھی قرین عقل ہے کہ کسی نبی پر وہ صراط مستقیم وحی کی جاسکتی ہے ۔ پس اس طرح ختمیّت الہام بھی ثابت ہوگئی ۔ استدلال کا سارا زور اس بات میں منحصر ہے کہ فلاں نبی نے جو راستہ دکھایا یا وہ مستقیم ہے یا نہیں تو پھر اس نبی کا قول فیصل ہے اور اس معنی کے لحاظ سے میں کہہ سکتا ہوں کہ آنحضرت صلعم آخری نبی تھے ۔ آپؐ اپنے زمانے سے صدیوں آگے تھے ۔ آپؐ تمام زمانہ کے نبی تھے ۔ اور ہر درجہ کے تمدن اور تہذیب کے لئے ہادی، جو حقائق آپؐ نے اپنے زمانے میں تعلیم فرمائے تھے۔ لوگ آج انہیں قبول کرتے جاتے ہیں ۔ (پیغام صلح، اکتوبر 1955ء)

قربانی حلال کمائی سے ہی اللہ کے نزدیک قابل قبول ہے!

احمد مرتضٰی (واعظ ملتان)

ترجمہ: ''اور ان پر آدم کے دو بیٹوں کی خبر حق کے ساتھ پڑھ دو، جب انہوں نے کوئی قربانی پیش کی سو وہ اُن دونوں میں سے ایک سے قبول کی گئی اور دوسرے سے قبول نہ کی گئی اس نے کہا میں ضرور تجھے قتل کر دوں گا (اس نے) کہا اللہ صرف متقیوں سے قبول کرتا ہے''۔ (27:5)

بظاہر یہ ایک واقعہ کا ذکر ہے جو کبھی پیش آیا، آدم کے دو بیٹے کوئی دو آدمی تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ان کی خبر حق کے ساتھ ان لوگوں پر پڑھ دو'' ان دونوں نے قرب الٰہی کے حصول کے لئے اپنی اپنی طرف سے کوئی قربانی پیش کی۔ ایک کی قربانی کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی تو جس کی قبول نہ ہوئی تھی اس نے دوسرے کو کہا کہ میں تجھ کو قتل کر دوں گا۔ جس کی قربانی قبول ہوئی تھی اس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ قربانی کو بھی صرف متقیوں سے قبول کرتا ہے

کیا تقویٰ کے بغیر قربانی قبول ہوسکتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ایسے واقعات روزانہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں اور اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے جس امر کی طرف توجہ دلائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ متقی کے سوائے کسی کی قربانی قبول نہیں ہوتی۔ بہت سی قربانیاں لوگ دکھاوے کے لئے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی قربانیوں کو قبول نہیں فرماتا ہے۔

متقی کون؟

حدیث میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال بیان فرمائی ہے۔ فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حلال کر رکھی ہیں وہ بھی بین ہیں اور جو حرام کر رکھی ہیں وہ بھی بین اور واضح ہیں''

عام طور پر حلال اور حرام دو واضح چیزیں اور ان کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی لیکن ان کے درمیان مشتبہ باتیں ہوتی ہیں۔ یہ جائز ہے یا ناجائز؟ تو آپ صلعم فرماتے ہیں ''جو شخص مشتبہ سے بھی بچتا ہے، ایسی چیز سے اجتناب کرتا ہے جس میں اشتباہ ہو، وہ اپنے دین کو آلائش سے پاک کر لیتا ہے'' پھر مثال کے طور پر فرماتے ہیں: ''ہر شخص کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اگر کوئی شخص چراگاہ کے آس پاس اپنے جانوروں کو چراتا ہے تو بسا اوقات جانور چراگاہ کے اندر بھی چلا جاتا ہے'' تو فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کی بھی چراگاہ ہے اس کی آس پاس بھی نہ جاؤ، ایسا نہ ہو کہ جس طرح جانور بے احتیاطی سے آس پاس چرتے ہوئے چراگاہ کے اندر چلے جاتے ہیں، تمہاری ہوا و ہوس تم کو حرام کا مرتکب کر دے۔ یہ حرام چیزیں خدا کی چراگاہ ہیں۔ ان کے پاس بھٹکنے سے بھی بچو'' اور پھر بڑی صفائی سے ایک اصول بتا دیا۔

''دیکھو جسم کے اندر گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہو گیا تو سارا جسم درست ہو گیا اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ گیا، دیکھو یہ انسان کا دل ہے۔ اگر انسان کے دل کے اندر خدا کی رضا کے حصول کے سوا اور کوئی خواہش نہیں تو وہ قلب اصلاح یافتہ ہے، دل کی حکومت تمام اعضاء پر ہوتی ہے، وہ جدھر اعضاء کو چلاتا ہے چلتے ہیں۔ پس دل اگر درست ہو جائے تو تمام اعضاء درست ہو جاتے ہیں''۔

قلب کی اصلاح کا طریق:

قلبِ انسانی کی اصلاح کیسے ہو؟ اس کے اندر اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کی خواہش پیدا ہو جائے، اگر اسے محض رضائے الٰہی مطلوب ہو تو یہ تقویٰ کے لئے ایک بڑا زبردست اصول ہے۔ متقی بننا چاہتے ہو تو پہلے دل کی حالت یہ

بناؤ کہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی خواہش تمام خواہشات پر چھائی ہوئی ہو۔ درحقیقت یہ بڑا بلند مرتبہ ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا ایک شعر ہے:

ہر اک نیکی کی جڑ ھ یہ اتقا ہے
اگر یہی جڑ ھ رہی سب کچھ رہا ہے

ہر نیکی میں تقویٰ کی ضرورت

خوب یاد رکھو ہر نیکی کے اندر تقویٰ کا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ وہ نیکی کسی کام کی نہیں ۔ ایک شخص نماز پڑھتا ہے، بہت نیک کام کرتا ہے لیکن اگر اس میں دکھاوے کا خیال ہے تو وہ نماز اکارت گئی۔ نیک کام کرو، نماز پڑھو، قربانی کرو، خلق خدا کو نفع پہنچاؤ۔ اگر اس کے ساتھ وہ دل نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی خواہش ہو تو تمام نیکیاں بے برکت ہو جاتی ہیں۔

جماعت کے لئے دو مشکلات

اس دور میں انسان کے لئے دو مشکلیں ہیں ایک تو یہ کہ حرام سے بچنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے آس پاس بھی نہ جائیں اور صرف حلال کمائی پر گذر اوقات کریں۔ مشکل تو یہ ہے کہ کمائی محدود ہو گی اور دوسری مشکل یہ ہے کہ اس تھوڑے میں سے بھی خدا کے نام پر دینا ضروری ہے لیکن انسان کے عزم کے سامنے تمام مشکلیں دور ہو جاتی ہیں ۔ خدا حلال مال میں بھی وسعت دے سکتا ہے اور دیتا ہے ۔ تکلیف اٹھا کر اگر حلال روزی میسر آجائے اور اس میں سے خدا کی راہ میں بھی دیا جائے تو خدا بھی خوش ہوتا ہے اور کمائی میں بھی برکت ہوتی ہے ۔ اپنے نفسوں کو روکو، خدا کی رضا کو مدنظر رکھو، حرام کے نزدیک بھی نہ بھٹکو، بچو اور حلال روزی کماؤ۔ خواہ وہ تھوڑی ہو اور باوجود اس کے جب تمہارا ہاتھ تنگ ہو تو اس وقت بھی خدا کے نام پر دو۔

صحابہ کرامؓ کی قربانیاں

تاریخ کو دیکھ لو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں دولت مند بہت کم تھے، وہ بھی اپنی حسب حیثیت خرچ کرتے تھے اور زیادہ حصہ غرباء کا تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کے لئے اپیل کرتے تو ایک غریب آدمی جس کے پاس کچھ نہ ہوتا بازار جا کر کچھ محنت مزدوری کرتا اور چار پیسے کما کر دو صدقہ میں دے دیتا اور دو اپنے اوپر خرچ کر لیتا۔ بڑی غربت کی حالت میں اس قوم نے پرورش پائی گو مال کے لحاظ سے وہ غریب تھے مگر اخلاق، کردار اور قربانی کے جذبوں کے لحاظ سے بہت بلند تھے، انہوں نے اپنی حلال کمائیاں خدا کے راستہ میں دیں اور خدا نے انہیں وہ بلند مقام دیا جہاں پہنچنا مشکل ہے۔

امام وقت سے تعلق کی غرض

میں اپنے دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ امام وقت کے ساتھ جو تعلق انہوں نے قائم کیا ہے وہ خدا کی رضا حاصل کرنے کے لئے قائم کیا ہے۔ یاد رکھو! حرام خوری سے خدا کی رضا نہیں ملتی ۔ خدا کی رضا اس وقت ملتی ہے جب اپنا حلال مال بھی اس کے راستہ میں دے دو، لیکن اس کے سوائے کبھی مت خیال کرو کہ ہم کمائیں اور جائز و ناجائز طریقوں سے کما کر خدا کے راستہ میں دے دیں تو خدا خوش ہو جائے گا ۔ اگر ہمارا قدم پھسل جاتا ہے تو ہم نے دنیا کی اصلاح کیا کرنی ہے۔

ہماری ادنیٰ قربانیوں کی قبولیت

میں تحدیث بالنعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ وہ جو فرمایا ''اللہ صرف متقیوں سے قبول کرتا ہے'' تو خدا کی قبولیت کے آثار اس دنیا میں بھی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ جو کام اس وقت تک آپ نے کیا ہے اس کو قبولیت بھی خدا نے بڑی دی ہے۔ شاید ہماری قربانیاں اتنی نہیں جتنی خدا نے قبولیت عطا فرمائی ہے۔

اپنے مال کو خدا کا مال سمجھو

قبولیت ہرگز نہیں ملتی جب تک انسان اپنے خیال کو اس نقطہ پر نہیں لے آتا کہ یہ میرا مال نہیں خدا کا مال ہے۔ تم اپنے اخراجات پر غور کرو اور سوچو کہ میں خدا کے مال کو ضائع تو نہیں کر رہا؟ اس وقت جو کچھ خرچ کرو گے خواہ وہ بیوی

بچوں کے لئے ہو، صدقہ اور خیرات ہی سمجھا جائے گا۔

دیکھئے کس قدر آسان ہو جاتا ہے جو کچھ تم کماتے ہو وہ سب خدا کا ہے۔ کیوں خدا کا ہے؟ اس لئے کہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ تم عبد ہو۔ تم نے اپنے آپ کو عبد کے مقام پر کھڑا کر کے اس بات کا اقرار کر لیا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ خدا کا مال ہے۔ کیونکہ غلام کی کمائی اس کے مالک کی ملکیت سمجھی جاتی ہے تو کماؤ اور خوب کماؤ، حلال ذریعوں سے کماؤ اور اُسے خدا کا مال سمجھ کر خرچ کرو۔ بے شک اپنی ذات، اپنے بیوی بچوں، اپنے والدین اور عزیز و اقارب کے لئے خرچ کرو۔ یہ سب صدقہ ہو جاتا ہے۔ اچھا سودا ہے کہ خرچ کریں، بیوی بچوں اور عزیز و اقارب کے لئے اور وہ صدقہ بن جائے، خدا کی رضا کے حصول کا ذریعہ بن جائے، کتنا سستا سودا ہے۔ یہ سودا خدا سے کرنا چاہیے۔ جہاں خدا کے راستہ میں خرچ کرنے کی ضرورت پیش آ جائے وہاں خدا کے راستہ میں خرچ کرو۔ کماؤ تو دیکھ لو کہ ناجائز نہ ہو اور خرچ کرو تو دیکھو کہ بے جا نہ ہو۔

تقویٰ کو بڑھائیں اور قربانیاں کریں

یہ تو واضح ہے کہ تھوڑے ہی ہمت والے ہیں جو اپنے مذہب کو چھوڑ کر اعلانیہ مسلمان ہو جاتے ہیں لیکن ہزاروں اور لاکھوں کے خیالات کو ہمارے لٹریچر نے بدل دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان کے دلوں میں عزت پیدا ہو رہی ہے۔ ''اللہ صرف متقیوں سے قبول کرتا ہے'' آپ اپنے تقویٰ کو بڑھائیں، خدا کے پاس بہت کچھ ہے اور بہت دے گا اور پیچھے آنے والے لوگ تعجب کریں گے کہ یہ کیا قربانیاں تھیں جن پر خدا نے اس قدر افضال نازل فرمائے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں صحیح قربانی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆

حضرت مسیح موعودؒ کا عقیدہ اور جماعت کو نصیحت

''اور ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حق اور حشر اجساد حق اور روزِ حساب اور جنت حق اور جہنم حق ہے۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو کچھ اللہ جل شانہ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے اور جو کچھ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے وہ سب بلحاظ بیان مذکورہ بالا حق ہے اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو شخص اس شریعت اسلام میں ایک ذرہ کم کرے یا ایک ذرہ زیادہ کرے یا ترک فرائض اور اباحت کی بنیاد ڈالے وہ بے ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے اور ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے اس کلمہ طیبہ پر ایمان رکھیں کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اسی پر مریں۔ اور تمام انبیاء اور تمام کتابیں جن کی سچائی قرآن شریف سے ثابت ہے ان سب پر ایمان لاویں اور صوم اور صلوٰۃ اور زکوٰۃ اور حج اور خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ تمام فرائض کو فرائض سمجھ کر اور تمام منہیات کو منہیات سمجھ کر ٹھیک ٹھیک اسلام پر کاربند ہوں، غرض وہ تمام امور جن پر سلف صالح کو اعتقادی اور عملی طور پر اجماع تھا اور وہ امور جو اہل سنت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں ان سب کا ماننا فرض ہے اور ہم آسمان اور زمین کو اس بات پر گواہ کرتے ہیں کہ یہی ہمارا مذہب ہے اور جو شخص مخالف اس مذہب کے کوئی اور الزام ہم پر لگاتا ہے وہ تقویٰ اور دیانت کو چھوڑ کر ہم پر افترا کرتا ہے اور قیامت میں ہمارا اس پر یہ دعویٰ ہے کہ کب اس نے ہمارا سینہ چاک کر کے دیکھا کہ ہم باوجود ہمارے اس قول کے دل سے ان اقوال کے مخالف ہیں۔ ''جھوٹ بولنے والے پر اللہ کی لعنت ہو۔'' (ایام الصلح ص ۸۶۔۸۷)

قول اور فعل میں مطابقت رکھنا

فضل حق صاحب

اس مادی دنیا میں قول اور فعل کو ایک جیسا رکھنا نہایت ہی مشکل کام ہے کیونکہ ہر انسان اپنے ہی فائدے کا سوچتا ہے اس لئے قول اور فعل میں تضاد پیدا ہو جاتا ہے جبکہ قرآن مجید دوٹوک الفاظ میں اس تضاد کی مذمت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سورۃ البقرہ میں فرماتے ہیں:

ترجمہ: ”کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو، پس کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے“

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی بُری عادتوں میں سے ایک کا ذکر کیا ہے کہ وہ لوگوں کو نیک عمل کرنے کا حکم دیتے تھے مگر خود اس پر عمل نہ کرتے تھے حالانکہ وہ اللہ کے کلام کو بھی پڑھتے تھے غرض کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہدایت کو پانے کے باوجود اس مذموم حرکت سے باز نہیں آتے تھے۔ انہوں نے اللہ کے کلام کو محض تجارت بنا لیا تھا۔ جب دنیا میں غرق ہو کر دین اور دینی ذمہ داریوں کو بھول چکے تھے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام تا قیامت لوگوں کے لئے سرچشمہ ہدایت ہے اس لئے ایمان والوں کو عام تنبیہہ کی گئی ہے اور اسلام کی دعوت دینے والے مبلغین اور معلمین کے لئے خاص طور پر ہے قول اور فعل میں مطابقت ضروری قرار دی گئی ہے۔

یہ ہماری اولین ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے قول اور فعل میں ہمیشہ مطابقت رکھیں کیونکہ ہمارے کاندھوں پر اشاعت دین کی بھاری ذمہ داری ہے اور یہ فریضہ ہم اسی صورت میں احسن انداز میں نبھا سکتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر عمل کریں، قول و فعل کی مطابقت کی پاسداری آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے زیادہ کسی انسان کی زندگی میں نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلعم عرب کے بے آب و گیا صحرا کو گلشن اسلام میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

بلاشک وشبہ آپؐ تاریخ انسانیت کے عظیم ترین انسان ہیں۔ جب ہم آپ صلعم کی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ بات بہت واضح نظر آتی ہے کہ آپؐ کا اخلاق اور کردار اور آپؐ کی زندگی کا ہر ایک عمل قرآن کریم کے احکامات کی عملی تصویر تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ارشاد گرامی ہے:

”حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق و کردار قرآن ہے“ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ایک عمل اس کے مطابق تھا جو ان کو دیا گیا اور جس کی وہ دعوت دیتے تھے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قول و فعل کے تضاد میں مبتلاء لوگوں کے انجام کے بارے میں فرمایا کہ:

حضرت اسامہؓ بیان کرتے ہیں کہ:

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ آگ میں اس کی آنتیں باہر آئیں گی۔ دوسرے دوزخی اس کے قریب آ کر جمع ہو جائیں گے اور اس سے کہیں گے، اے فلاں آج تمہاری کیا حالت ہے؟ کیا تم ہمیں اچھے کام کرنے کے لئے نہیں کہتے تھے؟ اور کیا تم بُرے کاموں سے ہمیں منع نہیں کرتے تھے؟ وہ شخص کہے گا کہ ہاں میں تمہیں تو اچھے کاموں کا حکم دیتا تھا لیکن خود نہیں کرتا تھا۔ بُرے کاموں سے تمہیں منع بھی کرتا تھا لیکن خود کیا کرتا تھا۔“

(صحیح بخاری کتاب بدء الخلق)

پس اپنے عقیدے و عمل میں، قول و فعل میں مطابقت اور موافقت رکھنا کچھ آسان کام نہیں۔ یہ کوئی طے شدہ، مقرر شدہ عبادت نہیں جسے آسانی سے کیا جا سکتا

ہو بلکہ اس کام کو مستقل مزاجی سے کرنے کے لئے بہت ہی بلند حوصلے اور مکمل ایمان کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ صرف اسی صورت ممکن ہے جب اللہ تبارک تعالیٰ سے سچا تعلق قائم کرنے کی خواہش ہو، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی سچی تڑپ موجود ہو۔ صرف اس سے تعلق قائم کر کے اس مشکل کام کو آسان بنایا جا سکتا ہے۔

اس زمانے کے امام حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مجدد صد چہاردہم کا ارشاد ہے: **"جس کے اخلاق اچھے نہیں ہیں مجھے اس کے ایمان کا خطرہ ہے۔ کیونکہ اس میں تکبر کی ایک جڑ ہے اگر خدا راضی نہ ہو تو گویا یہ برباد ہو گیا پس اس کی اپنی اخلاقی حالت کا یہ حال ہے تو اسے دوسروں کو کہنے کا کیا حق ہے۔**

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: **"یعنی تم لوگوں کو نیکی کا امر کرتے ہو مگر اپنے آپ کو اس امر نیکی کا مخاطب نہیں بناتے بلکہ بھول جاتے ہو"** اس کا یہی مطلب ہے کہ اپنے نفس کو فراموش کر کے دوسروں کے عیوب کو نہ دیکھتا رہے بلکہ چاہیے کہ اپنے عیوب کو دیکھے چونکہ خود تو وہ پابند ان امور کا نہیں ہوتا اس لئے آخر کار **"تم کیوں وہ بات کرتے ہو جو تم کرتے نہیں" الصف: ۳**، کا مصداق ہو جاتا ہے۔ اخلاص اور محبت سے کسی کو نصیحت کرنی بہت مشکل ہے لیکن بعض وقت نصیحت کرنے میں بھی ایک پوشیدہ بغض اور کبر ملا ہوا ہوتا ہے اگر خالص محبت سے وہ نصیحت کرتے ہوتے تو خدا ان کو اس آیت کے نیچے نہ لاتا۔ بڑا سعید وہ ہے جو اوّل اپنے عیوب کو دیکھے، ان کا پتہ اس وقت لگتا ہے جب ہمیشہ امتحان لیتا رہے۔" (**ملفوظات جلد سوم**)

قارئین کرام مذکورہ بالا آیت کریمہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور فرمودہ بانی سلسلہ احمدیہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ جو کوئی یہودیوں کی اس بُری عادت کو اپنائے گا، ان کی راہ پر چلے گا وہ اسی بدحالی کا شکار ہو گا جو دین کے بارے میں یہودیوں کو نصیب ہوئی۔

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ اپنے قول و فعل میں سچا ہو۔ اس کا ہر قول اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کے تابع ہو اور ہر فعل اس کے ہر قول کی تصدیق کرنے والا ہو۔ آمین

حضرت مسیح موعود کا عقیدہ

مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ میں کافر نہیں اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میرا عقیدہ ہے اور لکن رسول اللہ وخاتم النبیین پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت میرا ایمان ہے۔ میں اپنے اس بیان کی صحت پر اس قدر قسمیں کھاتا ہوں جس قدر خدا تعالیٰ کے پاک نام ہیں اور جس قدر قرآن کریم کے حرف ہیں اور جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تعالیٰ کے نزدیک کمالات ہیں۔ کوئی عقیدہ میرا اللہ اور رسول کے فرمودہ کے برخلاف نہیں اور جو کوئی ایسا خیال کرتا ہے خود اس کی غلط فہمی ہے۔ اور جو شخص مجھے اب بھی کافر سمجھتا ہے اور تکفیر سے باز نہیں آتا وہ یقیناً یاد رکھے کہ مرنے کے بعد اس سے پوچھا جائے گا۔ میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرا خدا اور رسول پر وہ یقین ہے کہ اگر اس زمانہ کے تمام ایمانوں کو ترازو کے ایک پلہ میں رکھا جائے اور میرا ایمان دوسرے پلہ میں تو بفضلہ تعالیٰ یہی پلہ بھاری ہوگا۔ (کرامات الصادقین، ص ۲۵)

مضمون نگار حضرات کی خدمت میں گذارش

احباب وخواتین جماعت سے درخواست ہے کہ موجودہ حالات و مسائل کے پیش نظر مضامین لکھ کر ارسال فرمائیں۔ یہ آپ کا اخبار ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ متنوع بنانے کے لئے تعاون کی ضرورت ہے۔ پیغام صلح کے معیار کو بلند رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے۔ لیکن آپ کے تعاون کے بغیر اس کے معیار کو مزید بلند کرنا ممکن نہیں۔ اپنے قیمتی مضامین ایڈیٹر پیغام صلح کے نام ارسال فرمائیں۔

ایڈیٹر پیغام صلح

''دین میں کوئی جبر نہیں''

درس قرآن کریم ''نصیر احمد فاروقی مرحوم و مغفور''

(معارف القرآن)

ترجمہ:'' دین میں کوئی زبردستی (منوانا) نہیں ۔ ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔پس جو شخص شیطان کا انکار کرتا ہے اور اللہ پر ایمان لاتا ہے اس نے ایک محکم جائے گرفت کو پکڑ لیا جو ٹوٹنے والی نہیں۔اور اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔اللہ اُن لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور جو کافر ہیں اُن کے ولی شیطان ہیں وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں ۔ وہی آگ والے ہیں جو اسی میں رہیں گے۔'' (سورۃ البقرہ آیات ۲۵۶ تا ۲۵۷)

اس عظیم الشان رکوع کے ابتدائی درس جن احباب نے سُنے یا پڑھے ہوں گے انہیں یاد ہوگا کہ اس رکوع سے قبل ذکر تھا جنگوں کا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو پیش آنے والی تھیں اپنے دین اور اپنی جانوں اور مالوں کو بچانے کے لئے ۔مزید برآں ذکر تھا اس جہاد اکبر کا جو قرآن کے ذریعہ ''اس قرآن کے ساتھ ان سے جہاد کرو (جو) بڑا جہاد ہے'' کے فرمانِ الٰہی کے مطابق مسلمانوں کو ہر وقت اور خصوصاً اس زمانہ میں پیش آنے والا تھا کیونکہ اس زمانہ میں دشمن تلوار یا تیروں سے نہیں بلکہ اعتراضات اور وساوس کے ذریعہ اسلام کو ختم کر دینا چاہتا تھا۔اعتراض کا جواب تلوار سے دینا حق کے علمبرداروں کا طریق نہیں بلکہ یہ تو باطل کے حامیوں یعنی کفار عرب کا طریق تھا جو لاجواب ہو کر اور اپنے غیض و غضب کی آگ میں بھڑک کر تلوار سے حق کو مٹانے پر اُتر آئے تھے۔تلوار سے مقابلہ صرف دفاعی جنگ کے لئے جائز ہے اِن تمام آیات قرآنی سے واضح ہے جن میں جنگ (جس کے لئے قرآن حکیم قتال کا لفظ استعمال فرماتا ہے) کے احکام آتے ہیں مثلاً پہلا حکم یوں ملا:

ترجمہ:''اجازت دی جاتی ہے اُن لوگوں کو جن پر جنگ کی جاتی ہے اس لئے کہ اُن پر ظلم ہوا'' (سورۃ الحج ۲۲: آیت ۳۹)

اسلام جس کے معنی ہیں امن و سلامتی کا مفہوم ہے میں جنگ کی اجازت صرف تب ہے کہ دشمن مسلمانوں پر جنگ کو وارد کرے اور وہ بھی بطور ظلم کے۔دوسری جگہ فرمایا:

ترجمہ:''اور جنگ کرو اللہ کے رستہ میں اُن لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرنا اور اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔ (سورۃ البقرہ ۲ آیت ۱۹۰)

ذرا اس آیت پر توجہ فرمائیں:

ترجمہ:''اور اُن کے ساتھ جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین سب کے سب اللہ کے لئے ہوں''۔(سورۃ الانفال ۸ آیت ۳۹)

اسی مذہبی آزادی کے چارٹر قرآن کریم یوں بیان فرماتا ہے کہ'' دین میں کوئی زبردستی (منوانا) نہیں''۔سبحان اللہ و بحمدہٖ کیا بلند و برتر تعلیم قرآن پاک کی ہے! یہاں اس غلط فہمی کو بھی دور کرنا ضروری ہے کہ اسلام میں مرتد واجب القتل ہے۔آیت مذکورہ بالا صاف بتا رہی ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ اس کا اقرار خود انصاف پسند مستشرقین کو ہے جیسا کہ ہیضمنگ نے عیسائی ہونے کے باوجود ''انسائیکلوپیڈیا آف اسلام'' میں مرتد پر اپنا مضمون ان الفاظ

سے شروع کیا ہے: **''قرآن میں مرتد کو صرف اگلی دنیا میں سزا کا خوف دلایا گیا ہے''** جو کہ صحیح ہے۔ اگر مرتد واجب القتل ہوتا تو کیا قرآن پاک میں یہ آیت ہوتی:

ترجمہ: ''تو کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں''۔ (سورۃ یونس ۱۰ آیت ۹۹)

یا کیا مدینہ کے یہودی مسلمانوں کو ورغلانے کے لئے یہ چال چلتے کہ:

ترجمہ: ''اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ دن کی ابتداء میں اس پر ایمان لے آؤ۔ جو اُن لوگوں پر اتارا گیا جو ایمان لائے ہیں اور اس کے آخر میں انکار کر دو تا کہ وہ لوٹ آئیں''۔ (سورۃ آل عمران ۳۔ آیت ۷۱)

حالانکہ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاکم تھے اور ایسے مرتد ہو جانے والوں کو خواہ وہ یہودی ہوں یا دوسرے سزائے قتل دے سکتے تھے، اگر مرتد کی سزا واقعی قتل کیا جانا تھا۔ یا کیا قرآن حکیم یہ اجازت دیتا کہ:

ترجمہ: ''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کافر ہو گئے۔ پھر ایمان لے آئے پھر کافر ہو گئے، پھر کفر میں بڑھ گئے تو اللہ یہ نہیں کہ ان کی مغفرت کرے اور نہ یہ کہ ان کو راہ پر سیدھا چلائے''۔ (سورۃ النساء: ۱۳۷)

اور بھی کئی آیات اس بارہ میں ہیں۔ جن صاحب کو تحقیق کرنا ہو تو وہ حضرت مولانا محمد علی صاحب کی کتاب ''دی ریلیجن آف اسلام'' یا ''دین اسلام'' میں مرتد کے مضمون پر ان کی بحث کو پڑھ لیں۔ اس بحث کا خلاصہ یا عطر وہ آیت مبارکہ ہے جس سے آج کا درس میں نے شروع کیا تھا کہ **''دین میں کوئی زبردستی (منوانا) نہیں''۔**

یہ مذہبی آزادی کا زبردست چارٹر یا اصول قرآن پاک نے آج سے چودہ سو سال قبل مقرر فرمایا جب کہ دنیا اندھیرے میں تھی۔ آج یو۔این چارٹر میں بھی مذہبی آزادی کے اصول کو واضح طور پر مانا گیا ہے۔ اُس چارٹر پر تمام دنیا کے ممالک نے دستخط کر کے قرآن پاک کی صداقت پر مُہر اثبات لگائی ہے۔ اس پُر نور آیت **''دین میں کوئی زبردستی نہیں''** کا تعلق پچھلی آیات سے کیا ہے؟ اُن میں ذکر فرمایا ہے کہ کفار اپنے خیالات وعقائد جن کو وہ دین سمجھتے تھے کو زبردستی منوانے کے لئے جنگ پر اُتر آئے ہیں۔ تمہاری یعنی حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کی دفاعی جنگ مذہبی آزادی کے اصول کو منوانے اور دُنیا میں قائم کرنے کے لئے ہونی چاہیے مگر دیکھنا کہ تم فتح پا کر جو اللہ تعالیٰ تم کو دے گا خود بھی اپنا دین زبردستی نہ منوانے لگنا۔ اور اس مذہبی آزادی کا جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری عمر اپنے ماننے والوں کو سکھاتے رہے بہترین نظارہ فتح مکہ کے موقع پر نظر آیا کہ بد سے بدتر مخالفین اسلام بھی ایک مثال نہیں دیکھا سکتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ یا بعد کی کسی اور مغلوب قوم کو زبردستی اسلام منوایا۔ اللہ تعالیٰ نے دین کو زبردستی منوانا ہوتا تو جس طرح کائنات کو اپنی فرمانبرداری میں جکڑ دیا ہے انسان کو بھی فطرتاً جکڑ دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حیوانات کی ہدایت اُن کی فطرت میں رکھ کر اُس میں اُن کو جکڑ دیا ہے۔ مجال ہے جو کوئی جانور اپنی فطرت میں رکھی ہوئی ہدایت کے خلاف ذرّہ بھی جا سکے۔ اگر انسان سے بھی ایسا کرتا تو پھر انسان حیوانی سطح سے اوپر نہ اُٹھ سکتا تھا۔ انسان کو آزاد چھوڑ کر اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان پر کس قدر احسان کیا ہے! یہ تو اللہ تعالیٰ کی اپنی شان ہے کہ وہ ''جو ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے'' کے بموجب جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اسی آزادی رائے کی وجہ سے ہی تو انسان کو ایمان لانے یا نیک عمل کرنے کا اجر و ثواب ہے جس کا ذکر قرآن کریم کے شاید ہر صفحہ پر ہے۔ ورنہ اگر انسان کو کوئی بات زبردستی منوائی جاتی یا کوئی عمل زبردستی کروایا جاتا تو پھر انسان کے اس ماننے یا عمل میں کوئی خوبی باقی رہتی۔ مثلاً اگر توحید کو جو ایمانیات کی جڑ ہے زبردستی منوایا جائے یا سچ بولنے کو جو تمام نیکیوں کی بنیاد ہے زبردستی منوایا جاتا تو پھر توحید پر قائم ہونے یا سچ بولنے میں کیا خوبی باقی رہتی؟ خوبی تو تبھی ہے کہ انسان شرک میں مبتلا ہو سکتا ہے مگر وہ اس سے انکار کرتا ہے، انسان جھوٹ

بول سکتا ہو مگر پھر بھی وہ سچ بولے۔

انسان کیوں نہ قرآن پر قربان جائے۔دیکھئے اگلے الفاظ کیا آئے ہیں **''بے شک ہدایت گمراہی سے واضح ہوچکی ہے''** جہاں انسان کی برتری اور اخلاقی اور روحانی ترقی کا راز اس کی Freedom of Will یعنی آزادی عمل میں ہے وہاں انسان کو بھٹکنے سے بچانے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدھے راستہ کو ٹیڑھے یا غلط راستوں سے واضح فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے رسول بھیج کر اور کتابیں نازل فرما کر ہدایت کو گمراہی سے واضح فرماتا رہا۔مگر وہ کتابیں ضائع ہوگئیں یا ان میں بنیادی تحریفیں ہوگئیں اور ان کو لانے والے رسولوں کے نمونہ کو بھی مسخ کردیا گیا تو ہدایت کو قرآن پاک میں روشن ترین شکل میں رکھ کر قرآن حکیم کی حفاظت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا چنانچہ آج اسلام کے بدترین دشمن بھی اس بات کے معترف ہیں کہ قرآن پاک محفوظ کتاب ہے۔دنیا بھر میں پھیلے ہوئے قرآن پاک میں صدیاں گذر جانے کے باوجود ذرّہ بھر بھی تبدیلی نہیں آئی۔اسی طرح سنت نبویؐ ایسی محفوظ ہے کہ حضور صلعم کی زندگی کی ایک ایک بات اور ایک ایک گھڑی احادیث کی بے شمار کتابوں میں محفوظ ہے اور اگر کسی نبی کو تاریخی نبی کہا جاسکتا ہے تو وہ حضور صلعم ہی ہیں۔اور اگر حضور صلعم کی کسی بات یا کسی عمل کے متعلق اشتباہ پیدا ہوسکتا تھا تو اس کو دور کرنے کے لئے قرآن حکیم نے فرمادیا کہ:'' جو رسول کی اطاعت کرتا ہے تو وہ اللہ کی ہی اطاعت کرتا ہے''۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی یا بالفاظ دیگر قرآن کریم کی ایسی مکمل اطاعت کی کہ اگر کسی حدیث یا روایت کے متعلق شبہ پیدا ہو تو اسے قرآن پاک پر پیش کرکے دیکھ لو۔اگر وہ قرآن شریف کے مطابق ہے تو صحیح ہے اگر وہ قرآن پاک کے خلاف جاتی ہے تو وہ غلط ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول یا کوئی فعل قرآن کے خلاف نہ تھا۔

قرآن کریم نہ صرف مکمل ہدایت ہے بلکہ ہدایت کو دلائل دے کر ثابت کرتا ہے۔جیسا کہ فرمایا:

ترجمہ: **''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں کہ قرآن اتارا گیا جو لوگوں کے لئے مکمل ہدایت ہے اور ہدایت پر اور حق و باطل میں فرق کرکے ان پر کھلے دلائل دیتا ہے''۔(سورۃ البقرہ۲: آیت ۱۸۵)**

اگر ہدایت کی طرف بلاتا ہے تو دلائل دے کر۔اگر ہدایت اور گمراہی میں فرق کرکے دکھاتا ہے تو دلائل سے۔مثلاً اگر توحید کی تعلیم کی طرف بلاتا ہے تو دلائل دے کر، کہیں تمام کائنات کی شہادت کو پیش کرتا ہے تو کہیں انسان کی فطرت کی شہادت کی طرف توجہ دلاتا ہے۔کہیں انسان کی عقل کو اپیل کرتا ہے تو کہیں تمام الہامی کتابوں اور نبیوں کی شہادت کو یاد دلاتا ہے کہیں کیا عجیب دلیل دی ہے:

ترجمہ: **''اور نہ اس کے ساتھ کوئی (دوسرا) معبود ہے اس صورت میں ہر ایک معبود نے جو پیدا کیا ہے وہ اسے لے کر چلتا ہوتا اور ان میں سے ایک دوسرے پر بڑائی حاصل کرنے میں لگا رہتا۔اللہ اس سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں''۔(سورۃ المومنون۲۳: آیت ۹۱)**

انسان خود تو اگرچہ بھائی بھائی ہوں اپنی اپنی جائیداد لے کر علیحدہ ہوجاتے ہیں کیونکہ مثل مشہور ہے کہ سانجھے کی ہانڈی چورا ہے میں پھوٹتی ہے۔کسی ملک میں دو بادشاہ یا دو صدر مملکت یا دو وزیر اعظم نہیں ہوتے مگر اچھا خدا ہے جو آدھے پونے کا مالک ہے اور شراکت کی بندشوں اور مجبوریوں میں بندھا ہوا ہے۔اور ایک خدا میں تین خدا عجیب تر ہے۔دو بچے جڑے ہوئے کس مصیبت میں ہوتے ہیں! تین خدا ایک میں ہوں تو ان کا کیا حال ہوگا؟

☆☆☆☆

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کچار شید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دارالسلام۔۵۔عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

مظلوموں! اُٹھو کہ ظلم ہے ظلم کو سہتے رہنا

از: عامر عزیز الازہری

اندھیرے ہی ان کا ہیں مقدر

سنتے نہیں جو ندائے یا ایھا المدثر

ارضِ خدا پہ حق ہے خلقِ خدا کا

اُٹھو نوجوانوں گر بدلنا ہے اپنا مقدر

رینگتے ہی رہنا نہیں انسانیت کا گہنا

توڑ ڈالو غلامی کا بندھن با آوازِ قلندر

سن نہ سکے جو صدا اقرب من حبل الورید

پائیں گے کہاں اس کو در کلیسا و مسجد و مندر

مظلوموں! اُٹھو کہ ظلم ہے ظلم کو سہتے رہنا

قطرہ قطرہ سے مل کر بنتا ہے سمندر

آزادی کے تب دیپ جلتے ہیں عزیزؔ

بھڑک جائے جب شعلہ دل کے اندر

عید کا پیغام

حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ

میری کئی سال سے یہ کوشش رہی ہے کہ عید کے موقع پر مختلف جماعتوں میں ایک ہی قسم کے خیالات کو پیدا کیا جائے، اس لئے چند خاص امور کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جن کو اپنی اپنی جگہ خطیب مدنظر رکھیں۔

عید کا سب سے پہلا پیغام یہ ہے کہ خوشی کے اندر خدا کو یاد رکھیں۔ عید کے دن ساری دنیا میں اللہ اکبر کی آوازیں اس قدر زور سے بلند ہوتی ہیں کہ ساری دنیا کی فضا اس گونج سے بھر جاتی ہے مگر قابل غور امر یہ ہے کہ جو گونج فضا میں پیدا ہوتی ہے کیا وہ ہمارے دل اور رُوح میں بھی پیدا ہوئی ہے؟ اصل میں اس گونج کا انسان کے اندر ہی پیدا کرنا مقصود ہے اور وہاں یہ گونج پیدا ہو جائے تو انسان کا کوئی کام نہ ہو جس میں غرض خدا کی بڑائی نہ ہو، یہی اصل پیغام ہے۔

عید کا دوسرا پیغام یہ ہے کہ خوشی کے اندر اپنے بھائیوں کو بھی یاد رکھو بالخصوص غرباء کو، عید الفطر میں صدقہ فطر ہے تو عید الضحیٰ میں قربانی کا گوشت ہے مگر یہ بھی ایک سبق ہے کہ اپنے بھائیوں کی جسمانی رنگ میں فکر کرتے ہو تو روحانی رنگ میں بھی ان کی فکر کرو۔ کیا آپ نے اپنے نادار اور مفلس بھائیوں کو جو قرآن کی نعمت سے محروم ہیں اس روحانی غذا کے پہنچانے کا کوئی انتظام کیا ہے؟

عید کا تیسرا پیغام قربانی ہے، ہر قریہ، ہر شہر میں ایک ہی وقت میں ہزاروں جانوروں کی گردنوں پر چھریاں رکھ دی جاتی ہیں مگر کس کے لئے! اس کا جواب قرآن کریم دیتا ہے:

وبشر المخبتين الذين اذا ذكر الله وجلت قلوبهم تاکہ اس نظارہ کو دیکھ کر انسانوں کے دلوں کے اندر عاجزی پیدا ہو، کہ جس طرح ہمارے محکوم ہیں، ہم بھی کسی کے محکوم ہیں، تو اصل غرض یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں سارے عالم اسلام کے اندر ایک قربانی کی لہر اُٹھے، کیا جانور کی قربانی کے لئے یہ موج قربانی کرنے والوں کے دل کے اندر بھی پیدا ہوئی ہے؟ اگر ہوئی ہے تو اس کی قربانی قبول ہوئی ہے اگر نہیں تو نہیں۔

انما يتقبل الله من المتقين

اللہ تعالیٰ صرف متقیوں کی قربانی قبول کرتا ہے۔ جس کے دل کے اندر قربانی کی روح پیدا نہیں ہوئی وہ متقی نہیں ہے اور نہ اس کی قربانی ہوئی ہے، غور کرو کہ اس وقت کتنے لوگ عالم اسلامی میں ہیں جن کی قربانی قرآن کریم کے صریح ارشاد کے مطابق قبول ہو رہی ہے؟

"کسی بُری عادت کو ذبح کردو۔ کسی نیک عادت کو اختیار کرلو"

☆☆☆☆